اقبالیات (اردو)

جولائی تا ستمبر، ۱۹۸۲ء

مدیر:

ڈاکٹر وحید قریشی

اقبال اکادمی پاکستان

عنوان	:	اقبالیات (جولائی تا ستمبر، ۱۹۸۲ء)
مدیر	:	وحید قریشی
پبلشرز	:	اقبال اکادمی پاکستان
شہر	:	لاہور
سال	:	۱۹۸۲ء
درجہ بندی (ڈی۔ڈی۔سی)	:	۱۰۵
درجہ بندی (اقبال اکادمی پاکستان)	:	8U1.66V11
صفحات	:	۱۰۵
سائز	:	۵ء۲۴×۵ء۱۴س م
آئی۔ایس۔ایس۔این	:	۰۰۲۱-۰۷۷۳
موضوعات	:	اقبالیات
	:	فلسفہ
	:	تحقیق

IQBAL CYBER LIBRARY

(www.iqbalcyberlibrary.net)

Iqbal Academy Pakistan

(www.iap.gov.pk)

6th Floor Aiwan-e-Iqbal Complex, Egerton Road, Lahore.

مندرجات

جلد: ۲۳ | اقبال ریویو: جولائی تا ستمبر، ۱۹۸۲ء | شمارہ: ۲

اقبال ریویو

مجلۂ اقبال اکادمی پاکستان

یہ رسالہ اقبال کی زندگی ، شاعری اور فکر پر علمی تحقیق کے لیے وقف ہے اور اس میں علوم و فنون کے اُن تمام شعبہ جات کا تنقیدی مطالعہ شائع ہوتا ہے جن سے اُنھیں دلچسپی تھی ، مثلاً اسلامیات ، فلسفہ ، تاریخ ، عمرانیات ، مذہب ، ادب ، فن ، آثاریات ، وغیرہ ۔

بدل اشتراک

(چار شماروں کے لیے)

پاکستان	بیرونی ممالک
38 روپیہ	8 ڈالر یا 4.50 پونڈ

قیمت فی شمارہ

پاکستان	بیرونی ممالک
10 روپیہ	2.00 ڈالر یا 1.00 پونڈ

مضامین برائے اشاعت

معتمد مجلس ادارت ، ''اقبال ریویو'' ، 116 میکلوڈ روڈ ، لاہور ، کے پتے پر ہر مضمون کی دو کاپیاں ارسال فرمائیں ۔ اکادمی کسی مضمون کی گمشدگی کی کسی طرح بھی ذمہ دار نہ ہوگی ۔

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی ، مدیر و معتمد مجلس ادارت و ناظم

اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

اقبال ریویو

مجلۂ اقبال اکادمی پاکستان

مجلس ادارت

صدر : ڈاکٹر محمد باقر   مدیر و معتمد : ڈاکٹر وحید قریشی

ارکان

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

پروفیسر محمد سعید شیخ   پروفیسر خواجہ غلام صادق

جلد ۲۳   جولائی ۱۹۸۲   بمطابق رمضان المبارک ۱۴۰۲   نمبر ۲

مندرجات

ہمارے قلمی معاونین

* سید نذیر نیازی (مرحوم)   ماہر اقبالیات
* ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی   شعبۂ اُردو ، اورینٹل کالج ، لاہور
* جناب صابر کلوروی   گورنمنٹ کالج ، غازی (تربیلا ڈیم)

شریعتِ اسلامیہ : اقبال کی نظر میں

سید نذیر نیازی

اقبال کے نزدیک دینِ اسلام ایک ہمہ گیر اصول ہے جس نے زندگی اور اس کے ہر پہلو کا احاطہ کر رکھا ہے - وہ ایک اساسِ فکر و عمل ہے ، ایک ابدی صداقت ، کائنات میں ہر کہیں کار فرما ، کائنات کا ہر ذرہ اس کے تابع ، شریعتِ اسلامیہ اسی اصول اور اس صداقت کی عملاً ترجمانی ، اس کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ہے :

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات　　شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات[1]

اسلام دینِ حیات ہے - شریعتِ اسلامیہ آئینِ حیات کی تفسیر - آئین تقاضائے حیات ہے - اسے آئین مل گیا تو ایک نظامِ مدنیت وجود میں آ جائے گا - قوم اس نصب العین کے حصول میں آگے بڑھے گی جو اس کی تقویم اور تقویت کا راز ہے ، اس کی ہستی اور وجود کی وجہِ جواز - آئین نہیں تو زندگی کو بھی ثبات نہیں ، نہ اجزائے حیات کی شیرازہ بندی کا کوئی امکان :

آدم کو ثبات کی طلب ہے　　دستورِ حیات کی طلب ہے[2]

یہ اس لیے کہ انسان کو جو قوائے علم و عمل عطا ہوئے ، جو گوناں گوں صلاحیتیں اور قابلیتیں ملی ہیں ، جو تقاضے طرح طرح سے اس کے ضمیر اور باطن میں اُبھرتے ، وہ اسے کسی نہ کسی راستے پر ڈال دیتے ہیں - یہ کسی تعمیری مقصد پر مرتکز ہوں گے تو کسی آئین کے سہارے — آئین ہی کی

۱- ''رموزِ بے خودی'' (''کلیاتِ اقبال فارسی'') ، ص ۱۲۸ -
۲- ''ضربِ کلیم'' (''کلیاتِ اقبال اُردو'') ، ص ۱۸/۴۸۰ -

بدولت فرد اور جماعت کے روابط منضبط ہوں گے ، فرد کی شخصیت اور معاشرے کے نشو و نما کا طبعی عمل کامیابی سے جاری رہے گا ۔ یہ عمل جاری رہے گا تو انسان اور انسانیت کے جوہر کھلیں گے ۔ زندگی کا سفر اگرچہ بڑا کٹھن اور طرح طرح کی مشکلات سے پُر ہے ، شریعتِ اسلامیہ کی رہ نمائی میں بامید و اعتماد کامیابی سے طے ہوتا رہے گا ۔ زندگی ایک پیش رس حرکت ہے ، اس کا مزاج تخلیقی ہے ، بامقصد اور بالصر ۔ اس میں ہر لحظہ تغیر اور انقلاب ہے ، ہر لحظہ نئے نئے مواقع ۔ اس کے ایک نہیں کئی مسائل ہیں ، ایک نہیں کئی تقاضے ، کئی ممکنات ۔ اس میں تعمیر اور اصلاح بھی ہے ، تخریب اور فساد بھی ، لیکن شریعتِ اسلامیہ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ اسے ضلالت اور شقاوت سے محفوظ رکھے ، خیر و سعادت کے راستے پر ڈال دے ۔ شریعتِ اسلامیہ کی بنا حقائق پر ہے ۔ اس میں ہمارے جملہ مسائل کا حل موجود ہے ۔ شریعتِ اسلامیہ ہی ہماری لیے خیر و شر کا معیار ہے ، نفع و ضرر ، غلط اور صواب ۔ شریعتِ اسلامیہ ہی کی بدولت جیسے بھی حالات ہوں انسان ان پر قابو حاصل کر سکتا ہے ۔ شریعتِ اسلامیہ قوت اور طاقت کا سر چشمہ ہے ۔ کیا خوب کہا ہے اقبال نے :

شارعِ آئیں شناسِ خوب و زشت   بر تو این نسخۂ قدرت نوشت[۳]

شریعتِ اسلامیہ کا تقاضہ ہے کہ ہم زندگی کو مردانہ وار لبیک کہیں ، زمانے کی رو پر دسترس حاصل کریں ، اس کا رخ اپنی غایتِ حیات کی طرف موڑ دیں ۔ شریعتِ اسلامیہ کی رو سے جو آئینِ حیات منضبط ہوتا ہے اس کا سر چشمہ ہے قرآن مجید اور قرآن مجید :

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات   بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

* * * *

نوعِ انسان را پیامِ آخریں   حاملِ او رحمة للعالمین[۴]

۳- ''رموز بے خودی'' (''کلیات'') ، ص ۱۲۷ -

۴- ایضاً ، ص ۱۲۱ - ۱۲۲ -

شریعت ہی ہمارے لیے ایمان و یقین کا ذریعہ ہے ۔ شریعت ہی کی بدولت ہم اس صداقت کو پا لیتے ہیں جو قرآن مجید ہمارے لیے لے کر آیا ۔ شریعت کی پابندی دوسرا نام ہے کتاب و سنت سے تمسک کا ۔ اقبال کے ان اشعار پر غور کیجیے :

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست　　اصلِ سنت جز محبت ہیچ نیست
فرد را شرع است مرقاتِ یقیں　　پختہ تر از وے مقاماتِ یقیں
* * *
قدرت اندر علمِ او پیداستے　　ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے

مختصراً یہ کہ

با تو گویم سرِ اسلام است شرع　　شرع آغاز است و انجام است شرع ۵

شریعت ہی کی پابندی سے اصل زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس کی اسلام نے تلقین کی ۔ ہم اس راستے میں قدم رکھتے ہیں جو اسلام نے ہمارے لیے تجویز کیا ۔ شریعتِ اسلامیہ ساری زندگی پر محیط ہے ۔ محض فقہی غور و تفکر اور وضعِ احکام تک محدود نہیں ۔ فقہی غور و تفکر اور وضعِ احکام اس کا منہاج ہے ۔ وہ خود سیاست ، معیشت ، اخلاق ، معاشرت ، آئین و قانون ، حیاتِ انفرادی اور اجتماعی ، تہذیب و تمدن ، ثقافت اور فکر و فرہنگ سب میں کار فرما ہے ۔

جب تک مسلمان شریعت کے پابند رہے ، دنیا پر چھائے رہے ، سربلندی اور سرفرازی نے ان کے قدم چومے ۔ معلوم ہوتا تھا زندگی اور اس کی رونق انہی کے دم سے قائم ہے ، لیکن جوں ہی شریعت سے انحراف ہونے لگا عالمِ اسلام طرح طرح کے فتنوں کا آماج گاہ بن گیا ۔ اس کی سیاسی اور ملی وحدت میں فرق آ گیا ، اتحادِ خیال رہا ، نہ اتحادِ عمل ، تفرقہ اور انتشار رونما ہوا اور ایک اُمت کئی اُمتوں میں بٹ گئی ۔ ابتدا اس کی ملوکیت سے ہوئی ۔ ہمارے نزدیک سیاست عبارت تھی خلافت سے ۔ ہم اسے اقتدار پر محمول کرنے لگے ۔ ہم بھول گئے خلافت کیا ہے ۔ اقبال نے ہمیں یاد دلایا :

۵- ایضاً ، ص ۱۲۶ - ۱۲۷ ۔

خلافت بر مقامِ ما گواہی است　　حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ　　خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است![6]

شریعت سے انحراف ہوا تو فرقہ بندی نے سر اُٹھایا اور فرقہ بندی نے اپنے حق میں تاویلات کا سہارا لیا ۔ احکامِ شریعت کی طرح طرح سے تاویلیں ہونے لگیں حالانکہ شریعت ہر طرح سے واضح ہے ۔ ان میں تاویل و تعبیر کی گنجائش ہی نہیں ۔ احکامِ شریعت قرآن مجید کے احکام ہیں اور ریب و ابہام سے پاک :

آں کتابِ زندہ ، قرآنِ حکیم　　حکمتِ او لایزال است و قدیم
حرفِ او را ریب نے تبدیل نے　　آیہ اش شرمندۂ تاویل نے[7]

تاویلات میں رسوخ فی العلم تو تھا نہیں ، زیادہ تر ابتغائے فتنہ ہی کی روح کام کر رہی تھی ۔ بجائے اس کے کہ ہم شریعت کی مصلحتوں کو سمجھتے ، اس میں غور و تفکر سے کام لیتے ، ہم اس کی غرض و غایت سے دور ہٹتے گئے ۔ ہماری نگاہیں ذاتی مفادات اور نفع و ضرر پر مرتکز ہو گئیں ۔ یہ ایک بہت بڑا سبب تھا ہمارے زوال و انحطاط کا ۔

ایک دوسرا فتنہ جو احکامِ شریعت کی تاویل اور اپنے رنگ میں تعبیر کی طرح شریعت سے انحراف میں رونما ہوا اور یہ ظاہر و باطن کا امتیاز تھا ۔ کہا گیا شریعت کا ایک ظاہر ہے ، ایک باطن ۔ ہم اگر مکلف ہیں تو اس کے باطن کے ، ظاہر کے نہیں ہیں ۔ بقول سید جمال الدین افغانی ، یہ ایک فسادِ عظیم تھا جس نے ہماری روحِ ملی اور امتیازِ دین کو کچل کر رکھ دیا ۔ یہ فسادِ خیال آج بھی کسی نہ کسی رنگ میں سر اُٹھا لیتا ہے ۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ شریعت میں ظاہر و باطن کے امتیاز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ چنانچہ اقبال نے کہا اور نہایت واضح الفاظ میں کہا :

در شریعت معنیٔ دیگر مجو　　غیرِ ضو در باطنِ گوہر مجو
ایں گہر را خود خدا گوہر گر است　　ظاہرش ، گوہر بطونش گوہر است[8]

۶- ''ارمغانِ حجاز'' (''کلیات'') ، ص ۹۰/۹۷۲ -
۷- ''رموزِ بے خودی'' (''کلیات'') ، ص ۱۲۱ -
۸- ایضاً ، ص ۱۲۶ -

باطنیت کی طرح ایک تیسرا فتنہ وہ ہے جسے اقبال نے عجمی تصوف سے تعبیر کیا ہے ۔ یہ فتنہ ہے شریعت اور طریقت میں تفریق کا ۔ کہا جاتا ہے طریقت روح ہے ، شریعت اس کا پیکر ، لیکن روح اور پیکر کے اس امتیاز سے بھی کچھ ایسے ہی نتائج مرتب ہوئے جیسے تاویل و تعبیر اور ظاہر و باطن کی تفریق سے ۔ تاویل و تعبیر کی نظر اگر فرقہ بندی پر تھی تو باطنیت کی اسرار و خفایا پر ۔ عجمی تصوف میں اس سے فرار اور تعطل کا رجحان پیدا ہوا ، ایک فلسفیانہ سی جذباتیت کا ، جسے حقائق سے لگاؤ تھا نہ ان کا شعور ۔ لہٰذا اقبال کو کہنا پڑا کہ اگر لفظ طریقت کے استعمال پر اصرار ہے یا تصوف میں ایک ایسی اصطلاح رائج ہو چکی ہے تو بھی سمجھ لینا چاہیے طریقت فی الحقیقت ہے کیا ۔ طریقت نام ہے زندگی کی گہرائیوں میں اتر کر شریعت کی کنہ تک پہنچنے کا :

پس طریقت چیست اے والا صفات شرع را دیدن بہ اعماقِ حیات[9]

حالانکہ اس امر کی ضرورت ہی نہیں کہ اصطلاحاتِ قرآنی کے مقابلے میں یا ان کے متوازی ہم کچھ اور اصطلاحات وضع کریں ۔ شریعت ہمارے لیے جو تکلیفات لے کر آئی ہے وہ تقاضائے حیات ہیں ۔ یہ نہیں کہ بہ جبر ہم پر نافذ کی گئی ہوں ۔ قرآنِ پاک نے نہایت واضح الفاظ میں کہا ہے : لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا (۲ : ۲۸۶) ۔ ضرورت تھی اس ارشادِ ربانی کے معنی و مطلب پر غور کرنے کی ، نہ کہ شریعت میں تاویل و تعبیر ، ظاہر اور باطن یا شریعت اور طریقت میں امتیاز کی ۔

رہی ملوکیت ، سو ملوکیت ایک انحرافِ عظیم تھا شریعت سے ۔ ملوکیت کا آغاز تو نہایت شان دار تھا ، لیکن اس کی بنیاد چونکہ سیاست اور جہاں بانی کے بجائے غلبہ اور استیلا پر ہے لہٰذا کچھ دنوں کے بعد طرح طرح کے امتیازات اور تفریقات سر اُٹھاتے ہیں ، طرح طرح کے مسائل رو نما ہوتے ہیں ۔ ان کا حل چونکہ معاشرے کی رائے اور استصواب سے بھی کیا جاتا اس لیے معاشرے میں انتشار اور پراگندگی پھیل جاتی ہے ، اس کا طبعی نشو و نما رک جاتا ہے ، فرد کی شخصیت دب جاتی ہے ، اسے اپنے

۹- ''پس چہ باید کرد'' (''کلیات'') ، ص ۳۱/۸۲۷ ۔

اظہار کا پورا پورا موقع نہیں ملتا ، حریت ، آزادی ، اخوت ، مساوات اور
عدل و احسان کے تقاضے پورے نہیں ہوتے ۔ رفتہ رفتہ خود ملوکیت میں
ضعف و انحطاط پیدا ہو جاتا ہے ۔ انسان کا رخ اس کی غایتِ حیات کی طرف
(جس کی اسلام نے ہر اعتبار سے وضاحت کر دی ہے) نہیں رہتا ۔ زندگی میں
یک سوئی اور یک جہتی کے بجائے ایک کشمکش سی رونما ہو جاتی ہے ۔ اس
کے اجزا ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں ۔ یہی کچھ عالمِ اسلام میں
بھی ہوا ۔ دینی ، اخلاقی ، سیاسی ، اجتماعی ، عقلی اور فکری پہلوؤں میں
ہم آہنگی باقی نہ رہی ، تہذیب و تمدن کا ارتقا رک گیا ، ثقافت کی روح
مجروح ہو کر رہ گئی ۔ یوں قدرتاً شریعت کا فہم بھی کم ہوتا چلا گیا ۔
شریعت کا تقاضا تھا تفقہ اور اجتہاد تاکہ جیسے بھی مسائل اور جیسے بھی
تقاضے اُبھر رہے ہیں باعتبارِ شریعت وضعِ احکام (قانون سازی : legislation)
کا سلسلہ جاری رہے ، لیکن ایسا نہ ہو سکا ۔ تقلید اور قدامت پرستی نے
سر اُٹھایا ۔ فقہِ اسلامی میں جمود پیدا ہو گیا ۔ حریتِ خیال رہی ، نہ وہ
خلاق اور دراکی جس پر فقہِ اسلامی کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی تھی ۔
یہ نتیجہ تھا عالمِ اسلام کے انحطاط ، سیاسی ، اجتماعی ، مادی ، اخلاقی اور
ذہنی فساد کا ۔ مگر اسلام ایک صداقت ہے اور کائنات کا ہر ذرہ اس صداقت
کے تابع ۔ لہذا مسلمان کسی بھی حالت میں ہوں یہ صداقت اپنے اظہار کا
کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتی ہے ۔ اسلام زندگی ہے اور زندگی چند دنوں
دبی تو رہ سکتی ہے لیکن بالآخر اُبھرتی ہے اور جو بھی قید و بند ہے
اسے توڑ ڈالتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب عالمِ اسلام تاتاری سیلاب کی
نذر ہو گیا ، اس کا عروج و زوال اور اقتدار و اختیار محکومی اور مغلوبی
سے بدل گیا ، تو عین اس وقت اجتہاد کی آواز بلند ہوئی اور جیسے جیسے زمانہ
گزرتا رہا بلند تر ہوتی چلی گئی ۔ یہ اس لیے کہ شریعتِ اسلامیہ کی عملاً
پابندی کا تقاضا تھا وضعِ احکام ، بالفاظ دیگر قانون سازی ، اور وضعِ احکام
فقہِ اسلامی کی ذمہ داری ، جس کے بغیر ناممکن ہے ہم زندگی کی تغیر پزیری
پر دسترس حاصل کر سکیں ، اس کا رخ اپنی غایتِ حیات کی طرف موڑ
دیں ۔ لہذا عالمِ اسلام کی ، جو روز بروز شریعت سے دور ہٹ رہا تھا ،
جس کی زندگی عقیدۂ تو اسلامی (لیکن حقیقت میں غیر اسلامی) طور طریق

اختیار کر رہی تھی ۔ رجعت الی الاسلام کی کوئی صورت تھی تو یہی کہ فقہِ اسلامی پر صدیوں سے جمود کی جو کیفیت طاری ہے اسے دور کیا جائے ۔ وہ اگر شریعت کا ساتھ دے سکتا اور زمانے کا گزر جن حالات اور واقعات سے ہو رہا ہے ان کو اسلام کے قالب میں ڈھال سکتا ہے تو صرف اجتہاد کی بدولت ۔ بقول اقبال یہ زندگی کی رمق تھی جس سے عالمِ اسلام میں اجتہاد کی صدا بلند ہوئی ، یہ تقاضا اُبھرا کہ ہم شریعتِ اسلامیہ کی رہ نمائی میں پھر اپنا کھویا ہوا اقتدار اور قدر و منزلت حاصل کریں ۔ یہ شاید امام ابن تیمیہ تھے جنھوں نے اجتہاد کے حق میں سب سے پہلے آواز بلند کی ، عالمِ اسلام کے دل و دماغ کو جھنجوڑا ، فقہِ اسلامی کی تازگی اور خلاق پر زور دیا ۔ زمانہ گزرتا چلا گیا ، مگر یہ آواز دب نہ سکی ۔ ایک آواز نجد سے اُٹھی ، مصر ، ترکیہ ، اسلامی وسط ایشیا اور اسلامی ہندوستان سے ، سلبِ اقتدار سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ نے اور سلبِ اقتدار کے بعد اقبال نے یہ آواز بلند کی ۔ اس مقالے کا موضوع چونکہ شریعتِ اسلامیہ ہے جیسا کہ اقبال نے اسے سمجھا اور شریعتِ اسلامیہ کا احیا بجز اجتہاد کے ممکن نہیں اس لیے اقبال نے اجتہاد پر جس طرح اظہارِ خیال کیا ہے اس کا لحاظ رکھ لینا مناسب ہی نہیں ضروری بھی ہے ۔

اقبال کے نزدیک اجتہاد ہی وہ اصول ہے محض ایک فقہی حقیقت نہیں جس سے اسلامی نظامِ مدنیت کا نشو و ارتقا جاری رہتا ہے ۔ زندگی کی کار آفرینی ، خلاق اور تازہ کاری میں فرق نہیں آتا ، معاشرے میں جمود پیدا نہیں ہوتا ۔ زمانہ نام ہے تغیر اور انقلاب کا ۔ اجتہاد اس کا مداوا ۔ اجتہاد ہی کی بدولت ہم زمانے کا رخ اپنے مقاصد کی طرف موڑ دیتے ہیں ۔ بامید اتحاد اپنی غایتِ حیات کی طرف بڑھتے ہیں ۔ ورنہ زمانہ تو ایک سیلِ بے پناہ ہے کہ اگر اس کی تغیر پزیری سے بے اعتنائی برتی گئی تو افراد و اقوام کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے ۔ اجتہاد ایک امرِ ناگزیر ہے اور زمانۂ رسالت ہی سے مسائل اور معاملات میں بروئے کار آ رہا تھا ۔ اب جو اصول روزِ اول ہی سے فقہِ اسلامی کے مسلسل نشو و نما میں کار فرما تھا ، تو اس کے سہارے اسلامی فقہ کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی ۔ اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے ؟ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فقہی

غور و فکر کا عمل مکمل ہو گیا ، باب اجتہاد بند ہے ؟ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ زمانے کی حرکت معطل ہو چکی ہے ، زندگی میں جمود اور تعطل پیدا ہو گیا جو ظاہر ہے ایک غلط ہی نہیں بلکہ نا ممکن بات ہے ۔ اور اس صورت عالم اسلام اگر زندہ ہے ، عالم اسلام میں دم ہے ، حرکت ہے ۔ اسلام عین زندگی ہے ، زندگی ہی کی طرح متحرک اور پیش رس ۔ ہم چاہتے ہیں ہماری زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے ۔ سیاست اجتماع ، اخلاق معاشرے ، دنیا اور عملاً ہر اعتبار سے شریعت ہماری رہ نمائی کرے تو اجتہاد کے بغیر چارہ کار نہیں ۔ اقبال نے بجا طور پر کہا کہ آج عالم اسلام میں ہر کہیں اجتہاد کی آواز بلند ہو رہی ہے ۔ نژادِ نو کا مطالبہ ہے کہ ہمارا گزر جن حالات سے ہو رہا ہے از روئے شریعت ان کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ احیائے اُمت اور اقامتِ دین کے جو الفاظ بار بار ہماری زبان پر آتے ہیں ان کا تقاضا کیا ہے ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام پھر ہماری زندگی کا اصل الاصول بن جائے ، صحیح معنوں میں اس کا زندہ اور فعال عنصر ثابت ہو ؟ لیکن اقبال کے نزدیک اجتہاد کے کچھ شرائط ہیں ۔ اجتہاد جتنا ضروری ہے اتنی ہی اس میں احتیاط لازم پڑتی ہے ۔ اجتہاد تجدد نہیں کہ آپ اجتہاد کے عذر میں جیسے چاہیں اپنی زندگی بدل لیں ۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اجتہاد سے کنارہ کش ہی رہیں ، ورنہ اس طرح کا اجتہاد ہمیں اسلام سے دور لے جائے گا ۔ اقبال کو اس امر میں حضرات ائمہ سے پورا پورا اتفاق تھا کہ اجتہاد کی چند ایک شرائط ہیں ۔ انہیں پورا نہیں کیا گیا تو اجتہاد اجتہاد نہیں رہے گا ، بدعت ہوگی ، الحاد ہوگا ۔ اس صورت میں تو تقلید ہی بہتر ہے ۔ چنانچہ ''رموزِ بے خودی'' میں اقبال نے تنبیہاً یہاں تک کہہ دیا کہ در زمانہ انحطاط تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است ۔ دین کا رشتہ ان کے ہاتھ کیسے دیا جا سکتا ہے ۔ مگر یہ صرف ایک تنبیہہ تھی ۔ اجتہاد کی ضرورت کے لیے انہوں نے بہت اصرار کیا ، بلکہ اس سلسلے میں ایک ایسی بات کہی جس کی طرف اس سے پہلے کسی نے اشارہ نہیں کیا ۔ اقبال دیکھ رہے تھے کہ عالمِ انسانی اپنے غور و فکر کی کس منزل میں ہے ؛ کس طرح مستقبل کی طرف بڑھ رہا ہے ، اس کے مسائل کیا ہیں ، مشکلات اور خطرات کیا ۔ عالمِ اسلام بھی عالمِ انسانی کا ایک حصہ ہے ۔

اس سے بے تعلق نہیں رہ سکتا ۔ ان کی حسِ تاریخ نہایت قوی اور نظر بڑی وسیع اور گہری تھی ۔ انہوں نے اجتہاد پر قلم اٹھایا تو سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اسلام ایک ثقافتی تحریک بھی ہے ۔ یہ بھی اس کی دعوت کا ایک پہلو ہے ۔ اس کا خطاب نوعِ انسانی سے ہے ۔ مقصد اس کا تعمیر و اصلاح اور تشکیلِ دین ہے ۔ اسلام دینِ حیات ہے ، شریعت آئینِ حیات کی تفسیر ۔ اول و آخر اسلام اور اسلام جو کہ ایک ہمہ گیر اصول ہے ، لہذا ایک نظامِ مدنیت بھی ۔ شریعت اس کی اساس ۔ تفقہ اور اجتہاد وہ کار فرما عنصر جس سے اسلامی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے ، ایک ریاست معرضِ وجود میں آ جاتی ہے ۔ جہاں تک معاشرے کا تعلق ہے اقبال کے نزدیک اسلام نے اس کی بنیاد ان عالم گیر ، غیر متبدل اور ابدی اصولوں پر رکھی جن سے انسانی معاشرے کا نشو و نما وابستہ ہے ۔ ریاست ایک وحدت ہے ، ان روحانی قوتوں کی عملاً ترجمانی کا ذریعہ جو تقدیرِ عالم کی صورت گر ہیں ، لہذا ان امتیازات سے پاک جن کو دین و دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ توحید بنا ہے وحدت انسانی کی ، جمعیت بشری ، آزادی اور مساوات کی ۔ یہ سب باتیں جو بڑی تشریح طلب ہیں ہمارے سامنے ہوں گی ۔ علی ہذا وہ شرائط جن پر ائمہ فقہا نے زور دیا ہے تو ہمارے لیے اجتہاد کا عمل آسان ہو جائے گا ۔ سیاست ، اخلاق اور معاشرت ، علم و حکمت ، ادب اور فن غرضکہ تہذیب و تمدن میں جس اعتبار سے دیکھیے شریعت کی حکم رانی ہوگی ۔ اگر ہماری زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھل سکی اور یہی جمہوریۂ اسلامیہ پاکستان کا نصب العین ہے ۔

اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور
کی
چند مطبوعات کی اشاعت ثانی

	قیمت
۱- پیام مشرق (عربی ترجمہ)	
از ڈاکٹر عبدالوہاب عزام	۲۰ روپے
۲- اقبال اور حیدرآباد دکن	
از نظر حیدر آبادی	۲۱ "
۳- اقبال اور عطیہ بیگم	
اُردو ترجمہ از ضیاء الدین برنی	۱۶ "
۴- تذکرۂ شعراء کشمیر (جلد دوم)	
از سید حسام الدین راشدی	۵۱ "
۵- تذکرۂ شعراء کشمیر (جلد سوم)	
از سید حسام الدین راشدی	۵۱ "

”اقبال ، جادوگرِ ہندی نژاد“
ایک تنقیدی مطالعہ

رفیع الدین ہاشمی

تقسیمِ ہند کے بعد کئی برسوں تک علامہ اقبالؒ کے افکار اور شاعری کو بھارت میں کچھ زیادہ لائقِ اعتنا نہیں سمجھا گیا ۔ ابتدائی پچیس سالوں میں بہت کم بھارتی دانش وروں اور نقادوں نے سنجیدگی کے ساتھ اقبال کو موضوعِ مطالعہ بنایا ۔[1] شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہم نے اقبال کا امیج تصورِ پاکستان کے خالق کی حیثیت سے ابھارا تھا ، اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا ، مگر ہندوستانیوں کے لیے اقبال کی یہ حیثیت کسی اہمیت کی حامل نہ تھی ، کیونکہ اسلامی مملکتِ پاکستان کا تصور ان کے نیشنلزم اور سیکولرزم سے متصادم تھا ۔

۱۹۷۳ء میں اقبال صدی کی پہلی لہر نے بھارت کے اہلِ علم اور دانش وروں کو اس فراموش کردہ موضوع کی طرف متوجہ کیا ۔ ۱۹۷۷ء میں اقبال صدی کی دوسری لہر سے اقبال کے بارے میں ہندوستانی نقادوں اور دانش وروں کے رہے سہے تاسّلات (reservations) بھی ختم ہو گئے ۔ اس خوش آیند تبدیلی کے نتیجے میں اس عرصے میں سینکڑوں مقالات و

۱۔ زیادہ سے زیادہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد ، اقبال سنگھ ، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ڈاکٹر عبدالحق کے نام لیے جا سکتے ہیں ۔ مطالعۂ اقبالیات کے سلسلے میں جگن ناتھ آزاد کا نام بھارت میں سب سے زیادہ نمایاں ہے ۔ وہ معترف ہیں کہ : ”تقسیمِ ہند کے بعد . . . ہندوستان نے اقبال سے ایک طرح کی بے اعتنائی برتی“ (”اقبال اور اس کا عہد“ ، الٰہ آباد ، ۱۹۲۳ ، ص ۱۲) ۔

مضامین لکھے گئے ۔ بیسیوں کتابیں اور جرائد کے اقبال نمبر شائع ہوئے ۔ مزید برآں دہلی ، لکھنو ، بھوپال ، حیدر آباد ، جموں ، سری نگر اور بعض دوسرے شہروں میں وقتاً فوقتاً سیمے نار منعقد ہوتے رہے ۔ کشمیر یونیورسٹی میں مطالعۂ اقبال کے لیے اقبال انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آیا ، جس نے حال ہی میں ''اقبالیات'' کے نام سے ایک علمی مجلہ جاری کیا ہے ۔ حیدر آباد دکن میں غیر سرکاری سطح پر اقبال اکیڈیمی قائم ہوئی جس نے ایک معیاری جریدے ''اقبال ریویو''[۲] کا آغاز کیا ۔ یہ جریدہ صرف مطالعۂ اقبالیات کے لیے وقف ہے اور تا حال اس کے سات آٹھ شمارے منظرِ عام پر آ چکے ہیں ۔ ہندوستان کی مختلف جامعات نے اپنے ہاں ماہرین و متخصصینِ اقبال کے یاد گاری لیکچروں کا اہتمام کیا ۔ ان تمام سرگرمیوں کے نتیجے میں اقبالیاتی ادب کا ایک ایسا ذخیرہ وجود میں آ گیا ، جو اپنی جگہ وقیع ہے اور نقد و تجزیے کا نسبتاً بہتر معیار پیش کرتا ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارے لیے بعض بھارتی دانش وروں کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرنا مشکل ہے ۔

بھارت میں اقبال صدی کے اثرات ابھی تک باقی ہیں ۔ جناب عتیق صدیقی کی کتاب ''اقبال ، جادو گرِ ہندی نژاد''[۳] اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ یہ کتاب بھارت میں اقبال پر لکھی جانے والی چیدہ کتابوں میں شمار ہونے کے لائق ہے ، اور بھارت میں مطالعۂ اقبال کے بعض اہم زاویوں کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے ۔

عتیق صدیقی صاحب نے یہ کتاب : ''اُس خلا کو پُر کرنے کی نیت'' سے لکھی ہے جو اُن کے بقول : ''اقبال کی سیاسی فکر اور ان کی سیاسی زندگی کو براہِ راست موضوعِ قلم بنانے سے گریز'' کے نتیجے میں پیدا

۲۔ ''اقبال ریویو'' صرف اُردو میں شائع ہوتا ہے ۔ اولین شمارہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں سامنے آیا تھا ۔ پتہ : اقبال اکیڈیمی ، مدینہ مینشن ، نارائن گوڑہ ، حیدرآباد ، آندھرا پردیش (بھارت) ۔

۳۔ شائع کردہ : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ، اگست ۱۹۸۰ء ، صفحات ۱۶۰ ، قیمت ۱۴ روپے ۔

ہوا ہے (ص ۷) - مصنف نے ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی '' اقبال کے آخری دو سال'' کا تو ایک جگہ حوالہ دیا ہے ، لیکن فکرِ اقبال کے سیاسی پہلو پر مندرجہ ذیل کتابیں اُن کی نظر سے نہیں گزریں :

(۱) محمد احمد خان ، '' اقبال کا سیاسی کارنامہ'' ، کراچی : کاروانِ ادب ۱۹۵۲ء، ص ۵۳۳ - نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن : لاہور : اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۷۷ء ، ص ۹۹۳ -

(۲) پروین فیروز حسن ، *'The Political Philosophy of Iqbal* ، لاہور : پبلشرز یونائیٹڈ ، [۱۹۷۰ء][۴] ، ص ۴۲۶ -

(۳) ریاض حسین ، *The Politics of Iqbal* ، لاہور : اسلامک بک سروس ، لاہور ، ۱۹۷۷ء ، ص ۱۵۹ -

(۴) محمد صدیق قریشی ، '' اقبال ، ایک سیاست دان'' ، جہلم : قنطار پبلی کیشنز ، [۱۹۷۷ء] ، ص ۱۶۳ -

(۵) ڈاکٹر عبدالحمید ، '' اقبال ، بحیثیت مفکرِ پاکستان '' ، لاہور : اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۷۷ء ، ص ۱۷۹ -

(۶) ایم - ایس - ناز ، '' اقبال اور تحریکِ پاکستان'' ، لاہور : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، [۱۹۷۷ء] ، ص ۲۵۶ -

(۷) پروفیسر احمد سعید ، '' اقبال اور قائد اعظم'' ، لاہور : اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۷۷ء ، ص ۱۲۸ -

(۸) محمد حنیف شاہد ، ''علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات ، لاہور : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۷۶ ، ص ۳۱۶ -

ان کتابوں کے علاوہ اسی موضوع سے متعلق مختلف مجلات میں بیسیوں وقیع مقالات بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں - تعجب ہے کہ وہ ان سب سے بے خبر رہے ، لیکن اس مفروضہ ''خلا'' سے قطع نظر بھی جناب عتیق

۴- ریاض الحق عباسی نے اس کا اُردو ترجمہ ''اقبال کا فلسفہ سیاست'' کے نام سے کیا ، جو شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا - صفحات ۵۲۰ ، قیمت ۳۵ روپے - واضح رہے کہ پروین فیروز حسن اب پروین شوکت علی ہیں -

صدیقی کی یہ تصنیف اپنا ایک جواز فراہم کرتی ہے ، کیونکہ اس میں فکرِ اقبال کے سیاسی پہلوؤں کی بعض نئی تعبیرات پیش کی گئی ہیں ۔

مصنف کے خیال میں اقبال نہ تو بہت بڑے فلسفی تھے ، اور نہ انھیں مذہبی معاملات میں اپنی بصیرت پر بھروسا تھا (ص ۱۲) ۔ وہ بنیادی طور پر ایک شاعر تھے ۔ انھوں نے عملی سیاست میں کبھی کوئی حصہ نہیں لیا ، تاہم وہ مخصوص سیاسی تصورات رکھتے تھے ۔ مصنف نے شعرِ اقبال کے آئینے میں انھی تصورات کا ایک جائزہ پیش کیا ہے ۔

عتیق صدیقی صاحب کو پاکستانی نقادوں سے سخت شکوہ ہے ، جنھوں نے اقبال کو ''علامہ کی مسند سے اٹھا کر حکیم الامت ہی نہیں ، بلکہ علیہ الرحمہ بنا دیا ہے'' ، جس کے ''صرف مناقب ہی لکھے جا سکتے ہیں'' (ص ۱۸ - ۱۹) ۔ مزید یہ کہ ''اقبال کے ساتھ جو زیادتیاں اور نا انصافیاں روا رکھی گئی ہیں ، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھیں شاعرِ اسلام بنا کر اُن کی حیثیت کو محدود کر دیا گیا'' (ص ۲۰) ۔ عتیق صدیقی کے خیال میں صرف خلیفہ عبدالحکیم ہی ایسے پاکستانی مصنف ہیں ، جن کا رویہ منصفانہ تھا ، ''لیکن ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز تھی'' (ص ۲۱) ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ، عتیق صدیقی صاحب کے زاویۂ نظر سے ، اقبال کے ساتھ روا رکھی جانے والی مبینہ زیادتیوں اور نا انصافیوں کے ازالے کی ایک کوشش کہی جا سکتی ہے ۔

یہ کتاب دس حصوں میں منقسم ہے ۔ ابتدائی باب تمہیدی ہے ۔ اقبال کے کسی نہ کسی مصرعے کو ہر حصے کا عنوان بنایا گیا ہے ۔ احساس ہوتا ہے کہ یہ حصے مختلف اوقات میں لکھے گئے ، اور پھر انھیں مرتب کرکے باہم مربوط بنا دیا گیا ۔ بہرحال ان سب مضامین میں ایک معنوی ربط موجود ہے ۔ کتاب میں دو ضمیمے بھی شامل ہیں : اول ، سر عبدالقادر کا ایک مضمون جو ''خدنگِ نظر'' (مئی ۱۹۰۲) میں شائع ہوا تھا ، مگر اُن کے مجموعہ مقالات ''نذرِ اقبال''[۵] میں شامل نہیں ہے ۔ یہ مضمون

۵- مرتبہ محمد حنیف شاہد (لاہور : مجلس ترقی ادب ، ۱۹۷۲ء) ، صفحات ۲۱-۳ ۔

اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس سے داغ سے اقبال کے آغازِ تلمذ کا سنہ متعین ہوتا ہے ۔ دوم ، اقبال کے سیاسی افکار و اعمال کے بارے میں محمد علی جوہر کے ایک طویل مضمون (مطبوعہ ''ہمدرد'') کے اہم حصے ۔ یہ مضمون اقبال کے بارے میں جوہر کے رویے کو سمجھنے میں اہمیت رکھتا ہے ۔

پہلے باب بہ عنوان : ''خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے'' کے تحت مصنف کہتے ہیں کہ وطن پرستی اقبال کی شاعری کا ایک نہایت اہم اور دلچسپ پہلو ہے ، مگر اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی ۔ بقول عتیق صدیقی : ''پہلے دور کی وطن پرستی کو ترک کرنے کے بعد بھی ہندوستان کی دھرتی کے ساتھ اقبال کا لگاؤ باقی ہی نہیں رہا ، بلکہ آخری عمر میں اور بھی گہرا ہو گیا ۔ 'بانگِ درا' کے دوسرے حصے سے لے کر 'ارمغانِ حجاز' تک اُن کے ہر مجموعۂ کلام میں ہندوستان کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں اُن کی محبت کا اور ہندوستان کی آزادی کی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے'' (ص ۱۹ - ۲۰) ۔ عتیق صدیقی نے تاسّف کے ساتھ لکھا ہے : ''اقبال کی وطنی شاعری کا یا اُن کی شاعری کے ہندوستانی عناصر کا ذکر کرنا بھی (پاکستان میں) خلافِ مصلحت سمجھا جاتا ہے'' (ص ۲۱) ۔ معاً بعد وہ کہتے ہیں : ''یہ کام پاکستان کے کرنے کا نہیں ، ہمارے کرنے کا تھا جو ہم نہیں کر سکے ۔ جگن ناتھ آزاد نے اقبال کے کلام میں ہندوستانی عناصر کی جستجو کی ، مگر اُن کے مصرعے کو کسی نے اٹھایا ہی نہیں ۔ انھوں نے اپنے لیے دوسرے میدان تلاش کر لیے ۔ اس کوتاہی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو ہم نے نظر انداز کیا ہے کہ اقبال اصلاً ایک ہندوستانی تھے ، ہندوستان میں انھوں نے جنم لیا تھا ، اور ہندوستان ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا'' (ص - ۲۱) ۔ مصنف نے اپنے نقطۂ نظر کو ''بانگِ درا'' کے دورِ اول کی شاعری خصوصاً ''ترانۂ ہندی'' اور ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' اور لالہ ہردیال سے اقبال کی دوستی کے حوالے سے آگے بڑھایا ہے ، مگر دوسرے باب میں وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ۱۹۰۵ء سے پہلے اقبال نے جس شدت کے ساتھ وطن پرستی کی تبلیغ کی تھی ، ۱۹۰۸ء کے بعد اسی شدت کے ساتھ وطنیت کی تردید کی

اور ان کی شاعری کا رخ اسلام کی طرف مڑ گیا۔[۶]

جناب عتیق صدیقی نے اقبال کی ذہنی تبدیلی کا اعتراف تو کر لیا لیکن تیسرے باب میں اس کا کریڈیٹ مولانا ابوالکلام آزاد کو عطا کیا ہے۔ انھوں نے یہ بات کھل کر نہیں کہی، مگر عالمِ اسلام کے مسائل پر اقبال کے ردِ عمل کا، ''الہلال'' کے حوالے سے، جس انداز میں تذکرہ کیا ہے، اس سے بہ الفاظِ دیگر یہی نیتجہ نکلتا ہے۔ تمہیدی باب میں اقبال کی اسلامیت اور اتحادِ اسلامی کے لیے اقبال کی "بلند و بانگ دعوت" کا ذکر ہے مگر اس انداز میں جیسے فکرِ اقبال کا یہ پہلو کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ انھوں نے احمد سروش کی یہ "پتے کی بات" نقل کی ہے کہ اتحادِ اسلامی کے لیے جمال الدین افغانی جیسے لوگ کوشاں رہے لیکن "اس کا کوئی نیتجہ نہیں نکلا'' اس لیے ''۱۹۲۴ کے بعد

۶۔ دوسرے باب میں اقبال پر قیامِ یورپ کے ضمن میں عطیہ فیضی کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس سلسلے میں عتیق صدیقی کے یہ ریمارکس بہت سطحی ہیں: ''اقبال اور شبلی کم و بیش ایک ہی زمانے میں عطیہ کے دامِ اُلفت میں گرفتار ہوئے'' اور: ''اقبال کے خطوط کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی، جو شبلی کے خطوط کے حصے میں آئی، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ سارے خطوط انگریزی میں لکھے گئے تھے۔ دوسری اور شاید بڑی وجہ یہ تھی کہ اقبال کے خطوط کو نہ تو کوئی امین زبیری نصیب ہوا اور نہ کوئی وحید قریشی ملا، نہ کوئی شیخ اکرام'' (ص ۵۰)۔ غالباً صدیقی صاحب بے خبر ہیں کہ اقبال کے خطوط بنام عطیہ فیضی کے تین مختلف اُردو تراجم ہوئے ہیں جو پاکستان اور بھارت میں کم از کم چھ مرتبہ اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ اس لیے محض انگریزی زبان، خطوط کو ''اقبال کی حیاتِ معاشقہ'' کا موضوع بنانے میں مانع نہیں ہے۔ ویسے اس موضوع پر دادِ تحقیق دینے کا ''فرضِ کفایہ'' محمد عظیم فیروز آبادی صاحب ادا کر چکے ہیں، مگر اُن کے مصرع کو کسی نے اُٹھایا ہی نہیں، حتیٰ کہ اُن کے مضمون کو اتنی بھی اہمیت نہیں ملی کہ آپ ہی اُن کا ذکر کر دیتے۔ اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ عطیہ کے نام اقبال کے ان خطوط میں کسی امین زبیری، وحید قریشی یا شیخ اکرام کے لیے ایسا کوئی ''چانس'' موجود نہیں ہے، جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔

[اقبال] کی شاعری کا جو دور شروع ہوا ، اس میں اتحادِ اسلامی کی لے مدھم پڑ گئی اور عالمِ انسانیت کے وسیع تر اتحاد کا ، نیز سوشلزم کا ، سر تیز ہو گیا'' (ص ۱۸) ۔

پانچواں ، چھٹا اور ساتواں باب مصنف کے اس دعوے کی تفصیل پر مبنی ہیں کہ اقبال اپنے اکثر و بیشتر معاصرین کی طرح ''دہری شخصیت کے مالک تھے ، بلکہ اقبال میں یہ خصوصیت نسبتاً زیادہ کارفرما تھی'' (ص : ۹) ۔ انھوں نے خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکوں میں عملاً حصہ نہ لینے اور نائٹ ہڈ کا خطاب قبول کرنے پر اقبال کو ہدفِ تنقید بنایا ہے ۔ عتیق صدیقی کے بقول ، اقبال : ''خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکوں کے حق میں نہ تھے اور انھیں مسلمانوں کے حق میں مضر سمجھتے تھے''۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں : ''خلافت اور آزادیٔ ہند کی مشترکہ تحریک میں اقبال کوئی حصہ نہ لے سکے اور اپنے ہم وطنوں خصوصاً اپنے ہم مذہبوں کے غم و غصے کا شکار رہے'' (ص ۹۷) ۔ مزید یہ کہ ''خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکوں سے اقبال کی لاتعلقی نے اور ان تحریکوں کے باب میں اُن کے سکوتِ پیہم نے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں ان کی طرف سے شکوک پیدا کر دیے تھے ۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکیں مدھم بھی نہ پڑنے پائی تھیں کہ یکم جنوری ۱۹۲۳ کو سرکاری اعزازات کی جو فہرست اخباروں میں چھپی ، اس میں اقبال کا نام بھی تھا'' (ص : ۹۳) ۔

جناب عتیق صدیقی اپنے مندرجہ بالا بیانات سے جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ۔

صدیقی صاحب ، مرزا جلال الدین بیرسٹر کے حوالے سے ، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اقبال نے عملی سیاست میں کبھی کوئی حصہ نہیں لیا کیونکہ : ''ان کی طبیعت کو اس زحمت سے ہمیشہ نفور رہی اور ان کی طبیعت کو فطری طور پر سیاست سے مناسبت نہ تھی'' (ص ۱۵) ۔ مزید برآں وہ طبعاً تساہل پسند تھے اور اُن کی شاعرانہ افتادِ طبع کی بنا پر ہی اُن کے بے تکلف دوست انھیں ''قطب از جائے جنبد'' کہہ کر چھیڑا

کرتے تھے۔[۷] ایسے شخص سے آپ محمد علی جوہر کی سی انقلابیت کی کیسے توقع رکھ سکتے ہیں؟ انھیں ہندوستان کی غلامی کا شدید قلق تھا اور ان کی شاعری میں غلامی سے نفرت کا شدید جذبہ بہت واضح ہے۔ ان کی شاعری آزادی کی تحریکوں میں حصہ لینے والوں اور آزادی کے لیے جد وجہد کرنے والوں کی نہایت واشگاف الفاظ ہیں تائید کرتی ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں:

''ہمارے سیاسی رہنما جب ملک کی آزادی کے لیے گرفتار ہوئے اور انھوں نے قید و بند اور صعوبتوں کی زندگی کو خوش آمدید کہا تو اقبال فکری انداز سے اس جد و جہد میں شریک ہوئے اور مہاتما گاندھی، حکیم اجمل خاں اور موتی لال نہرو کی گرفتاری پر انھوں نے کہا:

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں فطرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
''شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند[۸]

''اسی طرح سے جلیانوالہ باغ میں جب برطانوی سامراج نے اپنی بربریت کا مظاہرہ کیا تو اقبال نے دو اشعار میں شہیدوں کو جو خراجِ عقیدت ادا کیا، وہ کئی نظموں اور کئی مقالات پر بھاری ہے:

ہر زائرِ چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ باغ
غافل نہ رہ جہاں میں گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خونِ شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے[۹]

۷۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے:

(ا) جلال الدین بیرسٹر کا مضمون: ''میرا اقبال''، مشمولہ ''ملفوظات'' مرتبہ: محمود نظامی، لاہور۔

(ب) غلام بھیک نیرنگ کا مضمون: ''اقبال''، مشمولہ مجلہ ''اقبال'' اکتوبر ۱۹۵۷ء۔

۸۔ ''بانگِ درا'' (''کلیاتِ اقبال اُردو'')، ص ۲۵۳۔ ''بانگِ درا'' میں مصرع اول میں ''فطرت'' کے بجائے ''قدرت'' ہے۔

''پیام مشرق'' صرف کشمیر اور غنی کاشمیری کے ذکر ہی سے لبریز نہیں بلکہ ہندوستان کی غلامی پر اشعار ، اقبال کو اُن ممتاز شخصیتوں میں لے آتے ہیں جنھوں نے ہندوستان کو بندِ غلامی سے چھڑانے کے لیے عملی جدوجہد میں حصہ لیا ۔''۹

درحقیقت ترکِ موالات کے سلسلے میں اقبال کا رویہ مخالفت یا مغائرت کا نہ تھا ۔ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے ایک انقلابی کی طرح نہ تو کسی جلوس میں شرکت کی اور نہ وہ جیل گئے ۔ اس کی سب سے اہم وجہ تو جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر آ چکا ہے ، یہی تھی کہ طبعاً وہ متساہل اور جمود پسند تھے ، اور اُن کے لیے کسی کانگریسی رہنما کا سا رول ادا کرنا ممکن نہ تھا ۔ راقم کا خیال ہے کہ وہ ان تحریکوں کی روح کے موید تھے ، کیونکہ بحیثیتِ مجموعی ان تحریکوں سے آزادی کی جد و جہد کو تقویت پہنچی ، مگر جس انداز میں یہ تحریکیں چلائی گئیں ، یقیناً وہ اس انداز کے مخالف تھے ۔ یہ تحریکیں کسی سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر ہنگامی اور جذباتی نعروں کے تحت شروع کی گئی تھیں ۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان سے لاکھوں مسلمانوں کی ہجرت اُن کے لیے اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوئی ، پھر مئی ۱۹۲۲ء میں عین اس وقت جب ، یہ تحریک اپنے عروج پر تھی اور بقول عتیق صدیقی : ''جد و جہدِ آزادی کا اہم ترین موڑ'' کلائمکس کو پہنچ چکا تھا ، گاندھی جی نے اچانک تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا ۔ اس اعلان نے پوری تحریک کو ملیا میٹ کرکے رکھ دیا ۔ مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا ، انگریزوں کو مزید کچھ مہلت مل گئی ۔ محمد علی جوہر بھی گاندھی جی کی اس غیر متوقع حرکت پر صدائے احتجاج بلند کیے بغیر نہ رہ سکے ۔ مسلمانوں پر کانگریس اور گاندھی جی کی اصلیت جلد ہی واضح ہو گئی ۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں سر عبدالقادر کو کہنا پڑا کہ یہ تحریک گاندھی نے اس خدشے کے پیشِ نظر ختم کی ہے کہ کامیابی کی صورت میں اس کا زیادہ تر فائدہ مسلم

۹۔ ''اقبال اور اس کا عہد''، ص ۲۸ - ۲۹ ۔

قیادت کو پہنچتا ، اور وہ بہت طاقت ور ہو جاتی ، اور یہ بات کانگریس کے مفاد میں نہ تھی ۔ اقبال نے ۱۹۲۰ء میں کہا تھا : "مسلمانوں کے لیے نہ مسٹر گاندھی کی زندگی اُسوۂ حسنہ ہے اور نہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہدایت نامہ ان کے لیے دلیلِ راہ ہو سکتا ہے۔"[۱۰] اور دو سال بعد (۱۹۲۲ء میں) یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسلمانوں نے گاندھی کی قیادت قبول کرکے غلطی کی تھی۔ اس اعتبار سے اُن کے لیے ہندو قیادت کسی بھروسے کے قابل نہیں رہی تھی ۔

جہاں تک نائٹ ہڈ کا تعلق ہے ، کچھ شبہ نہیں کہ اقبال کو سر کا خطاب ملنے پر بعض حلقوں میں اُن کے خلاف ایک ردِ عمل پیدا ہوا ، مگر وقت گزرنے کے ساتھ واضح ہو گیا کہ ان کی سوچ غلط فہمی پر مبنی تھی۔ انھیں خدشہ پیدا ہوا کہ دوسرے خطاب یافتہ اکابر کی طرح شاید اقبال بھی انگریزوں کی کاسہ لیسی کو اپنا شعار بنا لیں گے۔[۱۱] عبدالمجید سالک کے یہ اشعار :

لــو مدرسـۂ علم ہــوا قصرِ حکــومت
افسوس کہ علامہ سے سر ہو گئے اقبال
پہلے تو سر ملتِ بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو تاج کے سر ہو گئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سـر ہو گئے اقبال
سر ہو گیا ترکوں کی شجاعت سے سمرنا
سرکار کی تدبیر سے سر ہو گئے اقبال[۱۲]

۱۰- بہ حوالہ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید ، "سرگذشتِ اقبال" ، لاہور ، اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۷۷ء ، صفحات ۱۹۳ -

۱۱- اس کی کسی قدر تفصیل محمد حنیف شاہد کے مضمون "سر ہو گئے اقبال" ("صحیفہ" ، اقبال نمبر دوم ، نومبر ۱۹۷۷ء ، صفحات ۱۳۸ تا ۱۵۱) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے -

۱۲- "زمیندار" ، ۴ جنوری ۱۹۲۳ء - بہ حوالہ : "صحیفہ" اقبال نمبر دوم ، نومبر ۱۹۷۷ء تا فروری ۱۹۷۸ء - ص ۱۴۰ -

اس ردِ عمل کی نمائندگی کرتے ہیں ۔ انھیں اقبال مخالف حلقوں نے خوب اچھالا ، مگر خود سالک کو جلد ہی اپنے اندازِ فکر کی غلطی کا احساس ہو گیا ۔ لکھتے ہیں :

"وہ اشعار زبان زدِ عام ہو گئے ، لیکن وہ ایک فوری جذبہ تھا ۔ اشعار چھپ جانے کے بعد راقم پر ندامت کا غلبہ ہوا ، اور چند ہفتے علامہ کی خدمت میں حاضری کی جرات نہ کر سکا ، لیکن جب آخر ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا تو علامہ کے طرزِ تپاک اور محبت آمیز سلوک میں کوئی فرق نہ آیا تھا بلکہ وہ شاکی تھے کہ اتنی مدت تک ملنے کیوں نہ آئے ۔"۱۳

نائٹ ہڈ کے خطاب پر اقبال کا اپنا تبصرہ اہمیت رکھتا ہے ۔ میر غلام بھیک نیرنگ کے نام جوابی خط میں لکھتے ہیں :

"میں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا ، مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں ، اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فرو تر ہیں ۔ سیکڑوں خطوط اور تار آئے اور آ رہے ہیں اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں ۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا ہے ، سو قسم ہے خدائے ذوالجلال کی ، جس کے قبضہ میں میری جان اور آبرو ہے ، اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی ، جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا ، اور مسلمان کہلاتا ہوں ، دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی انشاء اللہ"۔۱۴

نائٹ ہڈ کا اعلان یکم جنوری کو ہوا ۔ یہ خط تین روز بعد (۴ جنوری) لکھا گیا ۔

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں : اول ، اقبال کے نزدیک اس خطاب کی ایسی اہمیت نہ تھی ، جیسا کہ عام طور پر تصور کیا جاتا تھا ۔ دوم ، یہ خطاب اُن کے سیاسی اور فکری رویوں میں کسی تبدیلی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا ۔ مگر مجھے خدشہ ہے کہ عتیق صدیقی صاحب اس پر بھی

۱۳۔ "ذکرِ اقبال" لاہور : بزم اقبال ، ۱۹۵۵ء ، ص ۱۱۷ ۔

۱۴۔ شیخ عطاء اللہ ، مرتب ، "اقبال نامہ" اول ، لاہور : شیخ محمد اشرف ، ۱۹۴۵ء ، ص ۲۰۶ - ۲۰۷ ۔

وہی بات کہیں گے ، جو انھوں نے اقبال کے بعض اشعار (''دریوزۂ خلافت'' ''بانگِ درا'' ، ص ۲۵۴) ، اور تحریک خلافت کے زمانے میں موچی دروازے کے باہر اقبال کی ایک تقریر کے بارے میں کہی تھی کہ : ''انھیں اقبال کے دلی احساسات و جذبات نہیں کہا جا سکتا'' (ص ۸۳) ۔

ناٹ ہڈ کے سلسلے میں بشیر احمد ڈار کے تبصرے کو صدیقی صاحب ''کٹھ حجتی'' سے تعبیر کیا ہے ۔ اس کے بعد وہ مولانا مودودی کی یہ عبارت :

''سیاست میں اُن (اقبال) کا نصب العین محض کامل آزادی ہی نہ تھا ، بلکہ وہ آزاد ہندوستان میں 'دارالاسلام ، کو اپنا مقصودِ حقیقی بنائے ہوئے تھے ۔ اس لیے وہ کسی ایسی تحریک کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے ، جو ایک دارالکفر کو دوسرے دارالکفر میں تبدیل کرنے والی ہو ۔''

نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں : ''مولانا مودودی کے طرزِ استدلال کے بارے میں جتنا کم کہا جائے ، 'اتنا ہی بہتر ہے ۔ انھوں نے اقبال کے منہ میں اپنی زبان رکھنے کی کوشش کی ہے ۔ 'دارالکفر اور 'دارالاسلام ، کی جو بے محل اصطلاحیں ہندوستان کے لیے استعمال میں کی ہیں ، اقبال انھیں یقیناً پسند نہ کرتے'' (ص ۹۱) ۔ راقم الحروف کے خیال میں عتیق صدیقی صاحب کی معلومات ناقص ہیں ۔ اقبال نے ''دارالکفر'' اور ''دارالاسلام'' کی اصطلاحات کو نہ صرف پسند کیا ، بلکہ انھیں استعمال بھی کیا ہے ۔ مولانا حسین احمد مدنی سے بحث کے سلسلے میں اقبال نے اپنے مضمون ''جغرافیائی حدود اور مسلمان'' میں لکھا ہے :

''آزادی سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں ، بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقت ور بن جائے ۔ اس لیے مسلمان کسی ایسی حکومت کے قیام میں مدد گار نہیں ہو سکتا جس کی بنیادیں انھی اصولوں پر ہوں ، جن پر انگریزی حکومت قائم ہے ۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد ؟

''ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان ، کلیتاً نہیں تو ایک بڑی حد تک ، دارالاسلام بن جائے ، لیکن اگر آزادی' ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ، ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدترین ہو جائے تو مسلمان

ایسی آزادیٔ وطن پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہے ۔''[۱۵]

کتاب کے آٹھویں باب میں اقبال کی اشتراکیت پسندی بلکہ اشتراکیت پرستی کا بڑے والہانہ انداز میں ذکر کیا گیا ہے ۔ عتیق صدیقی صاحب انقلابِ روس کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقبال کو اس انقلاب نے ، جو : ''بیسوی صدی ہی کا نہیں ، انسانی تاریخ کا بھی اہم ترین واقعہ تھا'' بے طرح متاثر کیا تھا ۔ چنانچہ انھوں نے ''انقلابِ روس کو اپنی فکر کا موضوع بنایا اور پرجوش انداز میں انقلاب کے نغمے گائے'' (ص ۱۰۵) ۔ ان کے خیال میں یہ اقبال نے : ''جس نئے آدم کے ظہور کا مژدہ سنایا تھا ، اس نے سوویت یونین میں جنم لیا تھا ، 'پیام مشرق' کی تمام نظموں میں' خواہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ، جو نیا ولولہ اور نیا آہنگ ملتا ہے ، وہ انقلابِ روس ہی کی دین تھا'' (ص ۱۰۷) ۔ عتیق صدیقی صاحب کو افسوس ہے کہ ''برصغیر ہند میں سوشلزم کی ترویج و اشاعت سے متعلق جو تاریخیں اب تک لکھی گئی ہیں ، وہ اگرچہ اقبال کے ذکر سے خالی ہیں ، تاہم یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ سوشلزم کے تصور کے پرچار کی خدمت اقبال نے بالواسطہ اور براہ راست بھی انجام دی تھی'' (ص ۱۱۲) ۔ آگے چل کر کہتے ہیں : ''۱۹۳۴ء میں اقبال کی یہ علانیہ خواہش تھی کہ ملک میں سوشلسٹ پارٹی کا قیام عمل میں آئے'' (ص ۱۱۳) اور ''ملک میں باضابطہ سوشلسٹ پارٹی کا قیام اگر عمل میں آ جاتا اور کانگریس سے اس کا کوئی تعلق نہ بھی ہوتا تو اقبال اس پارٹی میں اگر شامل نہ بھی ہوتے تو بھی ان کی تمام تر ہمدردیاں اس کے ساتھ ضرور ہوتیں'' (ص ۱۱۵) ۔ اسی ضمن میں ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں : ''اقبال کی شاعری نیز دوسرے ماخذ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عصرِ حاضر کے انسان کے معاشی مسائل صرف سوشلزم ہی سے حل ہو سکتے ہیں اور سوشلزم کو وہ عین اسلام سمجھتے تھے'' (ص ۱۶) ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جناب عتیق صدیقی اشتراکیت اور انقلابِ روس کے بارے

---

۱۵ ۔ عبدالواحد معینی ، مرتب ، ''مقالاتِ اقبال'' ، لاہور : شیخ محمد اشرف ، ۱۹۶۳ء ، ص ۲۳۷ – ۲۳۸ ۔

میں کتنے پُر جوش ہیں ۔

اقبال کے شعر و فکر کا مجموعی رنگ کیا ہے ، اور اس سے کس حد تک ان کی سوشلزم پرستی ظاہر ہوتی ہے ، اس بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے ، تاہم کسی بات کا رخ اپنے موقف کی تائید میں موڑنے میں عتیق صدیقی جس ''مہارت'' کا مظاہرہ کرتے ہیں ، اس کی ایک مثال دلچسپی سے خالی نہ ہوگی - ۱۹۲۳ء میں لاہور کے اخبار ''انقلاب'' میں اقبال سے بالشویک خیالات منسوب کیے گئے تو انھوں نے فی الفور ''زمیندار'' میں ایک تردیدی مراسلہ چھپوایا کہ میں مسلمان ہوں اور میرے نزدیک بالشویک خیالات رکھنا دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے ۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب ''خطوطِ اقبال'' میں اقبال کا متذکرہ خط نقل کرتے ہوئے حاشیے میں اقبال کی اشتراکیت بے زاری بہ ایں الفاظ واضح کی تھی : ''معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال بولشویک خیالات کے بارے میں خاصے حساس تھے ، اور انھیں گوارا نہ تھا کہ انھیں 'اشتراکی' کہا جائے ۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ علامہ نے بلا تاخیر اُسی روز اور اسی لمحے ایڈیٹر 'زمیندا' کو خط لکھ کر اس کی تردید ضروری سمجھی اور تردید بھی خاص مفصل ہے'' لیکن عتیق صدیقی صاحب کے خیال میں سببِ تردید حکومت کا خوف تھا ۔ اُن دنوں لاہور میں بالشویک سازش کا ایک مقدمہ چل رہا تھا اور اقبال خوف زدہ تھے کہ کہیں اس میں ملوث نہ ہو جائیں ۔ اقبال کے کسی دوست نے ان سے اس کا تذکرہ کیا (کہ اخبار میں اُن سے بالشویک خیالات منسوب کیے گئے ہیں) تو بقول عتیق صدیقی : ''اقبال کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی اور وہ اس درجہ متوحش اور متردد ہوئے کہ مضمون بلا دیکھے ہوئے اس کی تردید انھوں نے ضروری سمجھی'' (ص ۱۰۲) ۔ اسی سلسلے میں وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اقبال : ''کوئی بھی ایسا اقدام کرنے پر خود کو آمادہ نہیں کر سکتے تھے جس سے حکومت کی چشم و ابرو پر شکن پڑنے کا احتمال بھی ہو سکتا ہو'' (ص ۱۰۳) ۔ ''انقلابِ روس کے نتیجے میں ہندوستان میں اشتراکی خیالات کی نشو و نما ہو رہی تھی جسے برطالوی حکومت انتہائی تشویش کی نظروں سے دیکھتی

تھی ۔ داروگیر کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا ۔ ان حالات میں سراسیمہ ہو کر اقبال کا اشتراکیت سے اپنی برات ہی کا نہیں ، بلکہ اس سے شدید اختلاف کا اظہار اُن کی افتادِ طبع کے عین مطابق تھا ۔ حکومت کو بھی اقبال کے اشتراکی ہونے کا اور اشتراکیت کے مبلغ ہونے کا اگر یقین ہو جاتا ، تو اُن کی زندگی کے اس پہلو پر سرے سے پانی پھر سکتا تھا ، جس کی تعمیر میں انھوں نے اپنی عوامی مقبولیت کو بھی داؤں پر لگا دیا تھا اور (ان کی وہ نائٹ ہڈ بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی جس) کے حصول پر ابھی چھ مہینے بھی پورے نہیں ہوئے تھے'' (ص ۱۰۵) اس اقتباس سے عتیق صدیقی کی مہارتِ ''فن'' کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ۔ کتاب میں انھوں نے جگہ جگہ اسی ''فن کاری'' کا مظاہرہ کیا ہے ۔

ایک لمحے کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ جون ۱۹۲۳ء کے اس خط کے ذریعے اقبال نے بالشوزم سے اپنی برات کا اظہار اپنی کھال بچانے کے لیے کیا تھا ، مگر عین اسی زمانے (مئی ۱۹۲۳ء) میں انھوں نے ''پیامِ مشرق'' شائع کی ، جس کی بعض نظموں میں ، بہ قولِ عتیق صدیقی ، ''اقبال نے انقلابِ روس کی پوری داستان بیان کی ہے'' (ص ۱۰۷) اور اس کے دیباچے میں ''اقبال نے جس نئے آدم کے ظہور کا مژدہ سنایا تھا ، اس نے سوویت یونین میں جنم لیا تھا ۔'' مزید یہ کہ : ''پیامِ مشرق کی تمام نظموں میں ، خواہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ، جو نیا ولولہ اور نیا آہنگ ملتا ہے وہ انقلابِ روس ہی کی دین تھا'' ۔ (ص ۱۰۷) ''پیامِ مشرق'' مارچ ۱۹۲۴ء میں دوبارہ شائع ہوئی ۔ اس میں بھی بالشویک نقطۂ نظر کی ساری نظمیں شامل تھیں ۔ چند ماہ بعد ستمبر ۱۹۲۴ء میں ''بانگِ درا'' منظرِ عام پر آئی ، جس میں اقبال ''خضرِ راہ'' جیسی نظم شامل کرنے سے نہیں ہچکچائے جو بہ قول عتیق صدیقی اقبال کی ''کامیاب ترین نظم'' ہے اور جسے ''سیدھے سادے الفاظ میں اشتراکی تعلیمات کا نچوڑ کہنا غلط نہ ہوگا'' (ص ۱۰۶) ۔ اب یہ کیسی عجیب اور ساتھ ہی دلچسپ صورتِ حال ہے کہ ایک طرف تو اقبال ، ''زمیندار'' میں مطبوعہ مراسلے کے ذریعے ، بالشوزم سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں ، عتیق صدیقی کی تاویل کے مطابق محض اس خوف سے کہ انگریز اُن پر گرفت نہ کریں لیکن ، دوسری طرف

''پیام مشرق'' اور بانگِ درا'' کی اشاعت سے وہ اپنی بالشوزم پسندی اور اشتراکیت پرستی کا ثبوت بھی فراہم کر رہے ہیں ۔ جناب عتیق صدیقی خود غور فرمائیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں ؟

عتیق صدیقی صاحب نے ''خضرِ راہ'' (۱۹۲۲ء) اور ''پیامِ مشرق'' (۱۹۲۳ء) کی نظموں سے اقبال کی سوشلزم پسندی کے حق میں استشہاد کیا ہے اور بتایا ہے کہ ''۱۹۰۳ء میں جب اقبال نے 'علم الاقتصاد' لکھی تھی تو اس وقت ان کا ذہن سوشلزم کے اس تصور کو قبول کر چکا تھا جو ۱۹ ویں صدی کے وسط میں کارل مارکس نے ایک مکمل فلسفے کی شکل میں پیش کیا تھا'' (ص ۱۱۱) ۔ ''جاوید نامہ'' (۱۹۳۵ء) جو اقبال کی فکری اور فنی پختگی کی نسبتاً بہتر نمائندگی کرتا ہے ، تعجب ہے کہ اس کے ان اشعار پر صدیقی صاحب کی نظر نہیں گئی :

ہر دو را جاں ناصبور و ناشکیب
ہر دو یزداں ناشناس ، آدم فریب !
زندگی ایں را خروج آں را خراج
درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج ![16]

جن میں ملوکیت اور اشتراکیت کی یکساں طور پر مذمت کی گئی ہے ۔

جناب عتیق صدیقی نے اقبال کی مبینہ سوشلزم پرستی کی تان دو اقتباسات پر توڑی ہے ، پہلا اقتباس پنڈت جواہر لال نہرو کا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ اقبال : ''زندگی کے آخری برسوں میں سوشلزم کے بہت قریب آ گئے تھے ۔ سوویٹ یونین نے جو عظیم ترقی کی تھی ، اس نے انہیں گرویدہ بنا لیا تھا'' (ص ۱۹۹) ۔[17] دوسرے اقتباس میں ولفریڈ کینٹ ول سمتھ کا یہ انکشاف

۱۶۔ ''جاوید نامہ'' (''کلیاتِ اقبال فارسی'') ، ص ۶۵/۶۵۳ ۔

۱۷۔ جناح کے نام خطوط میں اقبال نے جواہر لال کی اشتراکیت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے ، مثلاً ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو لکھتے ہیں : ''جواہر لال نہرو کی اشتراکیت خود ہندوؤں میں کشت و خون کا موجب ہوگی ۔ مسلمان اس کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے'' ۔

نقل کیا ہے : ''اقبال کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے دوستوں نے انھیں یقین دلایا تھا کہ سوشلزم کو سمجھنے میں انھوں نے غلطی کی ہے ۔ وہ اس کی تلافی کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے'' (ص ۱۱۹) ۔[18] اب مشکل یہ ہے کہ ہم عتیق صدیقی کے ممدوحین پنڈت نہرو اور سمتھ کی شہادتوں پر ایمان لائیں یا اقبال کی اپنی بات کا یقین کریں جو انھوں نے وفات سے تین چار ماہ پہلے ایک ریڈیائی پیغام[19] میں کہی اور جس میں انھوں نے اشتراکیت سمیت دنیا کے تمام باطل نظاموں کو ایسے نقاب پوش قرار دیا تھا جو : ''دنیا بھر میں روحِ حریت اور شرفِ انسانیت کی مٹی پلید کر رہے ہیں'' اور ''تاریخ کا تاریک ترین دور بھی ان نقاب پوشوں کے ظلم و استبداد کی مثال'' پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

''جاوید نامہ'' کے متذکرہ بالا اشعار کو یکم جنوری ۱۹۳۸ء کے ریڈیائی پیغام سے ملا کر پڑھیں تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ ملوکیت ، سرمایہ داری اور اشتراکیت تینوں کو یکساں طور پر انسانیت کے لیے ہلاکت و بربادی کا باعث سمجھتے تھے ۔ کچھ شبہ نہیں کہ ۱۹۲۲ء میں انھوں نے کہا تھا ۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات[20]

مگر ۱۹۳۵ء میں جب روس کے سامراجی چہرے سے انسان دوستی اور

۱۸- اقبال کی جو تعبیر ڈبلیو ۔ سی ۔ اسمتھ نے اپنی کتاب *Modern Islam in India* میں پیش کی ہے اور جس سے عتیق صدیقی صاحب نے استشہاد کیا ہے ، اس کے مفصل تنقیدی تجزیے کے لیے ملاحظہ کیجیے : بشیر احمد ڈار کی کتاب : *A Study in Iqbal's Philosophy* ، لاہور : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۷۱ء ، ص ۳۰۵ تا ۳۲۴ ۔

۱۹- ملاحظہ ہو لطیف احمد شیروانی ، مرتب *Speeches, Writings and Statements of Iqbal* لاہور : اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۷۷ء ص ۲۴۹ - ۲۵۱ ۔

۲۰- ''بانگِ درا'' (''کلیاتِ اقبال اُردو'') ، ص ۲۶۳ ۔

مساوات کی لقاب کسی قدر سر کی تو اقبال یہ کہنے پر مجبور ہوئے :

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریقِ کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی[۲۱]

اس کتاب کے آخری باب بہ عنوان ''سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر'' میں مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اقبال تصورِ پاکستان کے خالق یا موید نہیں تھے۔ لکھتے ہیں : ''اقبال کے شعری مجموعوں میں ہندوستان میں مسلم ریاست کے قیام کے اس تخیل کا کہیں ذکر نہیں ملتا ، جس سے انھیں متہم کیا جاتا ہے۔'' (ص ۱۲۹) ۔ آگے چل کر انھوں نے ایڈورڈ تھامپسن کے نام اقبال کے ایک خط (۴ مارچ ۱۹۳۴ء) کے حوالے سے اقبال کو تصورِ پاکستان کا منکر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شمال مغربی ہند کے مسلم اکثریت کے علاقوں کو ملا کر جس صوبے کے قیام کے وہ متمنی تھے ، اسے ایک علیحدہ ریاست نہیں ، بلکہ ہندوستانی وفاق کا حصہ بنانا چاہتے تھے (ص ۱۳۰) ۔

عتیق صدیقی صاحب نے اپنے استدلال کی عمارت ایڈورڈ تھامپسن کے ایک خط کی بنیاد پر تعمیر کی ہے ، مگر یہاں وہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی اس بحث کو عمداً[۲۲] نظر انداز کر گئے ہیں ، جس میں تھامپسن کے مذکورہ خط اور اسی سلسلے میں اقبال سے تھامپسن کی ایک مبینہ گفتگو پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ایڈورڈ تھامپسن اپنی کتاب *Enlist India for Freedom* (مطبوعہ ۱۹۴۰ء) میں کہتے ہیں کہ اقبال نے دورانِ گفتگو میں اُن سے کہا تھا : ''میرے وسیع ، غیر منظم اور فاقہ کش ملک میں طوائف الملوکی برپا ہوتی نظر آتی ہے۔ . . پاکستان ہندوؤں ، مسلمانوں اور برطانوی حکومت تینوں کے لیے تباہی کا موجب ہوگا۔ . . لیکن میں مسلم لیگ کا صدر ہوں ، اس لیے میرا فرض ہے کہ میں اس تجویز کی حمایت

۲۱۔ ''بالِ جبریل'' (''کلیاتِ اقبال اُردو'') ، ص ۴۰/۳۳۲ ۔
۲۲۔ عمداً اس لیے کہ یہ کتاب صدیقی صاحب کے سامنے تھی اور کئی جگہ اس کے حوالے بھی دیے گئے ہیں ، مگر اس سلسلے میں انھوں نے بٹالوی صاحب کی بحث کو در خور اعتنا نہیں سمجھا ۔

کروں ۔''۲۳ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اقبال زندگی میں صرف ایک بار (۱۹۳۰ء میں) مسلم لیگ کے صدر بنے تھے، مگر اُس وقت تک مسلم لیگ نے پاکستان کو اپنا نصب العین نہیں بنایا تھا، لہٰذا اقبال کے لیے پاکستان کی حمایت کی مجبوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ۔ دوسری کتاب *Ethical Ideas in India To-day* میں تھامپسن کہتے ہیں کہ اقبال نے اپنے انتقال سے کچھ دیر پہلے ، جب انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں ، ایک خط میں مجھے نہایت دل شکستگی اور رنج و افسوس کے لکھا تھا کہ : ''میرے وسیع ، غیر منظم فاقہ کش ملک میں طوائف الملوکی برپا ہوتی نظر آتی ہے''۲۴۔ یہ خط ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کا ہے ، یعنی اقبال کی وفات سے چار برس پہلے ۔ چار برس کے اس عرصے کو '' انتقال سے کچھ دیر پہلے'' کہنا کچھ عجیب سا لگتا ہے ۔ مزید تعجب یہ کہ تھامپسن نے ایک جگہ تو کہا کہ یہ الفاظ ، اقبال نے دورانِ ملاقات میں کہے تھے ، مگر اُن کی دوسری روایت کے مطابق یہ بات اقبال نے ایک خط میں تحریر کی تھی ۔ تھامپسن کے ہاں اس تضاد کے سبب اُن کی باتوں پر اعتماد کرنا مشکل ہے ، خصوصاً اس لیے بھی کہ ۴ مارچ کے خط میں ایسی کوئی بات سرے سے موجود نہیں ہے ۔

اقبال کی شاعری اور اُن کی دیگر تحریریں خصوصاً ۱۹۳۴ء کے بعد کے بیانات اور خطوط سامنے رکھیں ، تو یہ ثابت کرنا ممکن نہیں کہ وہ متحدہ قومیت کے قائل تھے ، بلکہ جناح کے نام خطوط میں تو وہ مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اور جدا گانہ ریاست کے پُرجوش حامی اور مبلغ نظر آتے ہیں ۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء (اپنے عرصۂ حیات کے آخری سال) میں محمد علی جناح کو لکھتے ہیں :

''. . . جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں مسلم ہندوستان ان (جدید) مسائل کو حل کر سکتا ہے ، مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی

۲۳۔ بہ حوالہ ''اقبال کے آخری دو سال'' ، کراچی : اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۶۹ء ، ص ۵۵۷ ۔

۲۴۔ کتابِ مذکور ، ص ۵۵۸ ۔

از سر نو تقسیم ہو اور قطعی اکثریت پر مشتمل ایک یا ایک سے زائد مسلم ریاستیں معرض وجود میں آئیں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ اس چیز کا مطالبہ کرنے کا وقت آ پہنچا ہے؟"[۲۵]

اقبال کی شاعری میں بحیثیت مجموعی تصور خودی، ملی احساس کی باز یافت اور تہذیبی انفرادیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسی نے آگے چل کر اُن کے ہاں "مسلم ہندوستان" کے تصور کی شکل اختیار کی، اور یہی بعد میں قرارداد پاکستان (۱۹۴۰ء) کی بنیاد بنا۔ اقبال کا "مسلم ہندوستان" بہرحال موجودہ بھارت کا کوئی صوبہ نہیں ہو سکتا تھا، جہاں مسلمان آج بھی الدین نشینلزم اور سیکولرزم کا خچیر بنے ہوئے ہیں مگر اُن کی تہذیبی سخت جانی، اب بھی اقبال کی شاعری اور اُن کے زندۂ جاوید فکر کی صداقت پر شہادت دے رہی ہے۔

اسی باب کے آخر میں عتیق صدیقی نے اقبال کے اس مصرع:

سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر[۲۶]

کے حوالے سے یہ کہہ کر کہ: "اقبال سفال ہند سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہتے تھے" اپنے اس موقف کی تائید پیش کی ہے کہ وہ مسلم ریاست کو آزاد ہندوستانی وفاق کا ایک حصہ بنانا چاہتے تھے۔ یہاں مجھے اقبال کا وہ جملہ یاد آ گیا، جو انھوں نے سراج الدین پال کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ: "بعض لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں۔"[۲۷] اقبال کے سلسلے میں بھی ہمیں بہ قول جگن ناتھ آزاد: "اپنے خود سیاسی پیمانوں سے کام لینے"[۲۸] کے طرز عمل کا سامنا ہے۔ سیاق و سباق کی پروا کیے بغیر، اگر کوئی شخص کلام اقبال کی ایسی ہی تاویل و تفسیر شروع کر دے

۲۵- *Letters of Iqbal to Jinnah*، لاہور: شیخ محمد اشرف ۱۹۴۷ء، ص ۱۹۔

۲۶- "بال جبریل" ("کلیات اقبال")، ص ۱۴۷/۴۳۹۔

۲۷- شیخ عطاء اللہ، مرتب، "اقبال نامہ، اول"، ص ۴۱۔

۲۸- "اقبال اور اس کا عہد"، ص ۱۷۔

تو اس کی حیثیت ان مفسرین و شارحین سے مختلف نہ ہو گی ، جن کے بارے میں اقبال نے کہا تھا کہ :

تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند۲۹

''اقبال ، جادوگرِ ہندی نژاد'' مجھے ایسے ہی شارح کی کوشش نظر آتی ہے ۔

اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھارت میں مطالعۂ اقبال پر وہاں کے بعض دانش وروں کی ''ترقی پسندی'' اور سرکار کے ''سیکولرزم'' کا کتنا گہرا اثر ہے ، اور ان اثرات سے ماورا ہوکر اقبال کو اس کے صحیح سیاق و سباق اور تناظر میں سمجھنا کتنا مشکل ہے اور اس سے بھی زیادہ اس کا اظہار کتنی جرات چاہتا ہے ۔

استدراک ۔ پاکستان میں عتیق صدیقی کی اس کتاب کا بہت کم نوٹس لیا گیا ۔ سب سے پہلے جناب رئیس امروہوی نے ''جنگ'' کراچی (۴ ستمبر ۱۹۸۱ء) میں ''اقبال ، جادوگرِ ہندی نژاد'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا : ''عتیق صدیقی نے نہایت ہنرمندی سے اقبال کے فکری نشو و نما کا جائزہ لیا ہے'' (اس ''ہنر مندی'' کی ایک جھلک راقم الحروف کے مندرجہ بالا جائزے میں دیکھی جا سکتی ہے) ۔ جناب رئیس امروہوی نے عتیق صدیقی کے مباحث کو : ''اقبال اکاڈیمی اور دوسرے تمام اقبال شناسوں کے لیے لمحۂ فکریہ'' قرار دیتے ہوئے ، اس پر اظہارِ خیال کی دعوت دی تھی ۔ بہ قول شریف الدین پیرزادہ ، رئیس امروہوی کا یہ ''تحسین آمیز تبصرہ'' راقم کی نظر سے نہ گزرا تھا ۔

راقم نے فکرِ اقبال سے دلچسپی کے سبب اپنے طور پر ''اقبال ، جادوگرِ ہندی نژاد'' کا ایک جائزہ تحریر کیا ۔ اس تجزیے میں جناب رئیس امروہوی کے اٹھائے ہوئے بیشتر نکات کا جواب آ گیا ہے ۔ راقم کو اقبال شناسی کا دعویٰ نہیں ، تاہم امروہوی صاحب کے تبصرے کی روشنی میں مزید دو ایک باتوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا ۔

(۱) رئیس امروہوی صاحب ، جناب عتیق صدیقی کے موقف کو

۲۹۔ ''بالِ جبریل'' (''کلیاتِ اقبال اُردو'') ، ص ۰ ۲/۳۱۲ ۔

آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں : ''ایک مطبوعہ مراسلے 'زمیندار' (۲۲ جون ۱۹۲۳ء) میں اقبال یہ فرماتے ہیں کہ 'چونکہ بالشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے ، اس لیے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے (کہ میں سوشلسٹ ہوں)' اور دوسری جگہ یہ لکھتے ہیں کہ : 'بالشوزم میں خدا کا تصور اگر داخل کر دیا جائے ، تو وہ بڑی حد تک اسلام کے مماثل ہو جائے گا ۔ مجھے حیرت نہ ہو گی اگر آگے چل کر اسلام روس پر یا روس اسلام پر چھا جائے، (مراسلہ مطبوعہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' شمارہ : ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء) ۔ تو عرض یہ ہے کہ ان دونوں بیانات میں تطابق کی کیا صورت ہو گی ؟'' (''جنگ'' کراچی ، ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء) ۔

پہلا اقتباس ''زمیندار'' میں مطبوعہ ایک طویل مراسلے کا محض ایک جملہ ہے ۔ اسی مراسلے میں اقبال نے یہ بھی کہا ہے : ''حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشوزم دونوں افراط تفریط کا نتیجہ ہیں ، اعتدال کی راہ وہی ہے،جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے''۔[۳۰] ان سطور کو عتیق صدیقی صاحب نے تو نقل نہیں کیا ، اس لیے کہ اس سے اقبال کی بالشوزم بے زاری کا اصل محرک سامنے آتا ہے ، لیکن غالباً رئیس امروہوی صاحب کی نظر سے بھی یہ سطریں نہیں گزریں ، ورنہ وہ اس اقتباس پر اٹک کر نہ رہ جاتے : ''بالشوزم میں خدا کا تصور اگر داخل کر دیا جائے ، تو وہ بڑی حد تک اسلام کے مماثل ہو جائے گا ۔'' اقبال کے بہت سے نقاد اس اقتباس کو اقبال کی بالشوزم پرستی کے حق میں پیش کرتے ہیں ۔ میری رائے میں یہ حضرات نہ تو اشتراکیت کا صحیح شعور رکھتے ہیں ، اور نہ انھوں نے کبھی غور کیا ہے کہ تصورِ باری تعالیٰ کے مقتضیات کیا ہیں ؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خدائے واحد پر ایمان لاتا ہے ، تو یہ ایمان اُس وقت تک ناقص رہے گا ، جب تک وہ اُدخلوا فی السلم کافہ کے مصداق خود کو پوری طرح خدا کی اطاعت و

۳۰۔ رفیع الدین ہاشمی ، مرتب ، ''خطوطِ اقبال'' ، لاہور : مکتبہ خیابانِ ادب ، ۱۹۷۶ء ۔ ص ۱۵۵ ۔

بندگی میں نہ دے دے ، اس کے اعتقادات ہی نہیں ، افعال و اعمال اور حرکات و سکنات بھی ہدایاتِ الٰہی کے تابع نہ ہو جائیں ، اور اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآن و حدیث کے مطابق بسر نہ ہو ۔ اس طرح گویا ایک بالشویک محض دکھاوے یا منافقت کے طور پر نہیں ، بلکہ خلوصِ نیت کے ساتھ اگر وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو منطقی طور پر اُسے بالشوزم کے تصور سے دست بردار ہونا پڑے گا ۔ اس صورت میں یہ سمجھنا درست نہ ہو گا کہ اقبال کے متذکرہ بالا دونوں بیانات میں کوئی تضاد ہے ۔ جناب رئیس امروہوی صاحب اس اعتبار سے اقبال کے متذکرہ بالا بیانات پر غور فرمائیں تو اُن کی یہ فکر مندی ختم ہو جائے گی کہ :
" ان دونوں بیانات میں تطابق کی کیا صورت ہو گی؟"

(۲) رئیس امروہوی صاحب کی دوسری الجھن یہ ہے کہ پاکستان کے بارے میں اقبال کا حقیقی رویہ کیا تھا ۔

اس پر جناب شریف الدین پیر زادہ نے انھیں ایک مفصل مراسلہ روانہ کیا جو "جنگ" کراچی میں ۱۸ ستمبر ۱۹۸۱ء کو شائع ہوا ۔ پیر زادہ صاحب اس مراسلے میں بتاتے ہیں کہ ایڈورڈ تھامپسن آکسفورڈ یونیورسٹی میں بنگالی زبان کا پروفیسر تھا ۔ اس نے ایک اخبار نویس کی حیثیت سے دو مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا ۔ گاندھی ، نہرو اور پٹیل سے اس کے گہرے تعلقات تھے ، اور وہ کانگریس کے سیاسی نقطۂ نظر کا پکا حامی تھا ۔ پیر زادہ صاحب نے بتایا ہے کہ تھامپسن ایک ناقابلِ اعتماد شخص تھا ، کیونکہ اس نے اپنی کتاب *Enlist India for Freedom* میں قائدِ اعظم سے اپنی ایک گفتگو کا ذکر کیا تھا ، مگر کتاب شائع ہوئی تو قائد اعظم نے اس کی تردید کی کہ ایڈورڈ تھامپسن سے ان کی کوئی ایسی گفتگو ہوئی تھی ۔

شریف پیر زادہ صاحب کا مراسلہ چھپا تو جناب عتیق صدیقی نے ماہنامہ "کتاب نما" دہلی (دسمبر ۱۹۸۱ء) میں "شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات" کے عنوان سے اس کا جواب لکھا ۔ جوابی مضمون میں انھوں نے تھامپسن کے نام اقبال کے خط کا اصل متن دیا ہے جو اُن کے بقول سید احمد حسن (استاذ شعبۂ سیاسیات ، مسلم یونیورسٹی ،

علی گڑھ) کی کتاب : *Iqbal : His Political Ideas at Crossroad* میں شامل ہے۔[۳۱] اس خط میں موجود ایک جملے (Now Pakistan is not my scheme) کے حوالے سے انھوں نے ایک بار پھر یہ تاثر دیا ہے کہ اقبال سے پاکستان کا تصور منسوب کرنا اُن پر ایک اتہام کے مترادف ہے۔ اول تو متذکرہ خط میں اقبال نے جس ”پاکستان اسکیم“ سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا ہے ، وہ کیمبرج کے چودھری رحمت علی مرحوم کی پیش کردہ سکیم تھی۔ تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کے لیے مسلم لیگ کی ”قرار دادِ پاکستان“ (جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آنے والے پاکستان کی بنیاد بنی) تو اقبال کی وفات کے تقریباً دو برس بعد ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو سامنے آئی۔ دوسرے یہ کہ اقبال کے افکار و تصورات ایڈورڈ تھامپسن کے نام اقبال کے اس خط (۴ مارچ ۱۹۳۴ء) تک محدود نہیں۔ اُن کی شاعری اور اُن کی نثری تحریروں سے متحدہ قومیت کی نفی ، ہندوستانی مسلمانوں کے علیحدہ قومی تشخص اور اسلامی تہذیب و ثقافت اور فروغ کے لیے ایک الگ خطۂ زمین (بہ الفاظِ دیگر پاکستان) کے بارے میں اقبال کا حقیقی رویہ سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ عتیق صدیقی کی کتاب کے تجزیے میں ہم نے اقبال کے ایک خط بنام جناح سے ایک اقتباس نقل کیا تھا ، جس میں انھوں نے کہا تھا کہ جدید مسائل کے حل کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی از سرِ نو تقسیم ہو اور قطعی اکثریت پر مشتمل ایک یا ایک سے زائد مسلم ریاستیں معرضِ وجود میں آئیں۔ ”خطوطِ اقبال بنام جناح“ سے مزید دو اقتباسات دیکھیے :

”اس ملک میں جب تک ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستیں معرضِ وجود میں نہ آئیں ، اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔ سال ہا سال سے میرا یہی عقیدہ رہا ہے اور میں اب بھی اسی کو مسلمانوں کی روٹی کے مسئلے اور ہندوستان کے امن و امان کا بہترین حل سمجھتا ہوں۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہو تو ہندوستان کے لیے دوسرا راستہ محض خانہ جنگی ہی کا باقی رہ جاتا ہے“۔[۳۱]

۳۱۔ افسوس ہے کہ راقم الحروف کو تلاشِ بسیار کے باوجود تاحال یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

''کانگریس کے صدر (نہرو) نے تو غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی جدا گانہ سیاسی حیثیت ہی سے انکار کر دیا ہے ۔ دوسری ہندو سیاسی جماعت ہندو مہا سبھا نے ، جس کو میں ہندوؤں کی اصل نمائندہ جماعت سمجھتا ہوں ، بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو متحدہ قوم کا معرض وجود میں آنا ناممکن ہے ۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ ہندوستان میں امن قائم رکھنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اس کو نسلی ، مذہبی اور لسانی اشتراک کی بنا پر از سر نو تقسیم کر دیا جائے ۔''[۳۲]

جلی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ اقبال ہندوستان کی تقسیم اور ایک آزاد اسلامی ریاست (یا ریاستوں) کے قیام کو کس قدر ضروری سمجھتے تھے ۔ یہاں اقبال کا ۱۹۳۸ء کا وہ اقتباس بھی پیش نظر رہنا چاہیے ، جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ، جس میں اقبال نے محض آزادی ہند کو بے معنی اور ملعون قرار دیا ہے ۔ ان کے خیال میں آزادی میں حقیقی معنویت کبھی پیدا ہو سکتی ہے جب '' دارالاسلام'' وجود میں آئے ۔ شریف الدین پیرزادہ نے عتیق صدیقی صاحب کو اقبال کے مندرجہ بالا خطوط کی طرف متوجہ کیا تھا ۔ صدیقی صاحب ان خطوط میں مذکور تقسیم ہند اور آزاد اسلامی ریاست والی بات تو نظر انداز کر گئے مگر اپنی کتاب کی مندرجہ ذیل اختتامی سطور دہراتے ہوئے انھوں نے اپنے موقف کی صحت پر ایک بار پھر اصرار کیا ہے :

'' اقبال کے خطوط (مسٹر جناح کے نام) . . . سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کی قیادت کو تو اقبال نے یقیناً قبول کر لیا تھا مگر مسلم لیگ پر جاگیرداروں کا تسلط اُن کے سوشلسٹ ذہن کے لیے قابل قبول نہیں بن سکا تھا''۔[۳۳]

یہ درست ہے کہ اقبال سر سکندر حیات اور اُن کے یونینسٹ ساتھیوں کے رویے سے شاکی تھے ، اسی طرح وہ مسلم لیگ کے بعض لیڈروں کے رویے سے بھی مطمئن نہ تھے اور لیگ کو مسلم عوام کی حقیقی نمائندہ جماعت بنانا چاہتے تھے ، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ

۳۲- خط مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء -
۳۳- خط مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء -

مسلم لیگ کے مشن ہی کے خلاف تھے ۔ اور مسلم لیگی جاگیرداروں کے ردِ عمل میں انھوں نے جداگانہ مسلم تشخص کے نظریے سے دست بردار ہو کر متحدہ قومیت کے تصور کو اپنا لیا تھا ۔ یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہو گی کہ ہم یہ تو تسلیم کریں کہ بقول عتیق صدیقی : ''مسٹر جناح کی قیادت کو تو اقبال نے یقیناً قبول کر لیا تھا'' مگر جناح کی قیادت میں مسلم لیگ کی جو جد و جہد جاری تھی ، اس کے بارے میں ہم فرض کر لیں کہ اقبال اس کے مخالف تھے ۔

مکاتیبِ اقبال کے مآخذ

ایک تحقیقی جائزہ

صابر کلوروی

اقبالیات کا ادنٰی طالب علم ہونے کی حیثیت سے میرے لیے یہ بات حیرت انگیز رہی ہے کہ اقبال پر منشی محمد دین فوق کے مضمون ''حالاتِ اقبال'' (مطبوعہ ''کشمیری میگزین'' اپریل ۱۹۰۹) کی اشاعت کے بعد اب تک تقریباً پون صدی گزر جانے کے باوجود جہاں علامہ کی فکر اور فلسفے کے متعلق سینکڑوں نہیں ہزاروں کتب و رسائل اور مضامین قلم بند کیے جا چکے ہیں وہاں علامہ کی خطوط نگاری سے متعلق تحریروں کی تعداد دو تین درجن سے زیادہ نہیں[1] ، حالانکہ مغرب و مشرق کے نقادوں کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ کسی ان کار کے فن ، اس کے نظریات اور سب سے بڑھ کر اس کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے خطوط مستند ترین ذریعہ ہیں ۔ بدقسمتی سے اقبال پر لکھنے والوں نے اقبال کو اس تناظر میں دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی ۔

زیرِ نظر مضمون میں مکاتیبِ اقبال کے اس ذخیرے کا جائزہ لینا مقصود ہے جو علامہ کے نظریات اور شخصیت سے مطالعہ کے لیے ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے ۔ تاہم طوالت کے خوف سے علامہ کے مکتوب نگاری کے فن اور خصوصیات پر تبصرہ ممکن نہیں ۔ اس پہلو پر اب تک درج ذیل

۱- تازہ ترین تحقیق کے مطابق سوانحِ اقبال پر پہلا مضمون شیخ عبدالقادر نے لکھا جو ''خدنگِ نظر'' لکھنؤ کی مئی ۱۹۰۲ کی اشاعت میں چھپا ۔ ملاحظہ ہو ''اقبال ، جادوگر ہندی نژاد''، از : عتیق صدیقی ، جامعہ ملیہ دہلی ، نیز : اورینٹل کالج میگزین ، اقبال نمبر ۱۹۸۲) ۔

مضامین شائع ہو چکے ہیں :

مشعل سلطان پوری : ''مکاتیبِ اقبال : چند اہم خصوصیات''، ''شیرازہ'' اقبال نمبر ، سری نگر ۔

آل احمد سرور : (i) ''خطوط میں شخصیات کا اظہار'' ، ''مقالات یومِ اقبال'' رام پور (۱۹۳۵) ؛ (ii) ''اقبال کے خطوط'' ، ''عرفانِ اقبال''، ''اقبال اور ان کا فلسفہ'' ، ''اقبال با کمال'' ۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار : ''اقبال خطوط کے آئینے میں'' ، ''اقبال منفرد'' معراج نیر ، ''فکرِ اقبال کے منور گوشے'' ، ''راوی'' ، اپریل ۱۹۷۷ ۔

سید عبدالواحد : ''اقبال اپنے خطوط میں'' ، مشمولہ : Studies in Iqbal ۔

عبداللہ چغتائی : ''اقبال خطوط کیسے لکھتے تھے؟'' مشمولہ : ''امروز'' ۲۲ اپریل ۱۹۵۱ ، ''نوید صبح'' سرگودھا کالج ۱۹۵۲ ۔

محمد اکرام : ''اقبال کے مکتوبات پر ایک نظر''، مشمولہ : ''ساہیوال'' اقبال نمبر اپریل ۱۹۶۶ ۔

افتخار احمد چشتی : ''علامہ اقبال اپنے خطوط کے آئینے میں'' : ''وفاق'' ، لائلپور ۲۳ اپریل ۱۹۶۱ ۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی : ''اقبال کے خطوط'' ، ''راوی'' اپریل ۱۹۷۷ - ''قومی زبان'' اقبال نمبر اپریل ۱۹۷۷ ۔

سید وقار عظیم : ''اقبال خطوط کی روشنی میں'' : مشمولہ '' اقبالیات کا مطالعہ'' مرتبہ سید معین الرحمان

بشیر احمد ارشد : ''اقبال اپنے خطوط کے آئینے میں'' : ''قندیل'' ۲۳ اپریل ۱۹۶۹

کیپٹن محمد حامد : ''اقبال کے خطوط کے نظریاتی پہلو'' : رسالہ ''فکر و نظر'' اپریل ۱۹۷۶ ۔

شیخ محمد سلیم : ''اقبال کے خطوط کا مطالعہ'' : ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' لاہور ، ۲۳ اپریل ۱۹۵۲ ۔

لطیف فاروق : ''خطوطِ اقبال'' : ''اقبال اور آرٹ'' ۔

حفیظ ملک : ''خطوط اقبال بنام جناح'' : Iqbal Poet-Philosopher of Pakistan -
ڈاکٹر سید معین الرحمن : مکاتیب اقبال کا پہلا مجموعہ شاد اقبال : ضیا بار سرگودھا ، اقبال نمبر ۱۹۷۳ -
پروفیسر سید علی عباس : ''مکاتیبِ علامہ اقبال بنام قائد اعظم کا پس منظر اور اساسِ پاکستان'' : ''صحیفہ'' اقبال نمبر جنوری فروری ۱۹۷۸ -
'' مکاتیب کے آئینے میں'' ''خیابان'' اقبال نمبر : مرتبہ طاہر فاروق -
''اقبال کے خطوط'' : ''امروز'' ۲۲ اپریل ۱۹۵۳ ؛ ''پاکستان ٹائمز'' : ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ -
''خطوطِ اقبال'' مشمولہ : '' تنقیدِ اقبال اور دوسرے مضامین'' مجھلی شہر انڈیا ۱۹۷۶ -
عبداللطیف اعظمی : ''مکاتیبِ اقبال کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ'' : '' اقبال دانائے راز'' مکتبۂ جامعہ ، نئی دہلی -

'' اقبال کی صحبت میں'' از عبداللہ چغتائی ، ''اقبال نامہ'' جلد دوم ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ اور ''خطوطِ اقبال'' مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی میں بھی علامہ کی خطوط نگاری پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے ۔ مکاتیبِ اقبال کے دوسرے مجموعوں میں دیباچے کے طور پر علامہ کے مکتوبات کے ضمن میں اشارے مل جاتے ہیں ۔ اب تک مکاتیبِ اقبال کے درجِ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں :

۱- ''شاد اقبال'' مرتبہ سید محی الدین قادری زور	۱۹۴۲
۲- ''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۳ (کشن پرشاد کے ۵۰ خطوط) مرتبہ عبداللہ قریشی	۱۹۷۳
۳- ''اقبال کے خطوط جناح کے نام''	۱۹۴۲
۴- ''اقبال نامہ'' مرتبہ شیخ عطاء اللہ جلد اول	۱۹۴۴
۵- ''اقبال'' از عطیہ بیگم	۱۹۴۷
۶- ''اقبال نامہ'' جلد دوم مرتبہ شیخ عطاء اللہ	۱۹۵۱

۷- "مکاتیبِ اقبال" بنام نیاز الدین خان ۱۹۵۴
۸- "مکتوباتِ اقبال" بنام سید نذیر نیازی ۱۹۵۴
۹- "انوارِ اقبال" مرتبہ بشیر احمد ڈار ۱۹۶۷
۱۰- Letters and Writings of Iqbal ۱۹۶۷
۱۱- "مکاتیب بنام گرامی" مرتبہ عبداللہ قریشی ۱۹۶۹
۱۲- "خطوطِ اقبال" مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ۱۹۷۶
۱۳- Letters of Iqbal ۱۹۷۸

علامہ کی جامع سوانح عمری کی تدوین کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس مقصد کے لیے مکاتیب سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔ سوانح کے ان مستند ماخذوں کا جائزہ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جمع و تدوین کی بے شمار غلطیاں ان مجموعوں میں راہ پا چکی ہیں۔ زیرِ نظر مضمون سے علامہ کی جامع سوانح عمری کی تدوین کا کام آسان ہو سکے گا۔ مزید برآں مکاتیبِ اقبال کے اس ذخیرے سے زیادہ بہتر طور پر استفادہ ممکن ہو گا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکاتیبِ اقبال کے ان مآخذات کا زمانی ترتیب سے جائزہ لیا جائے۔

مکاتیب بنام کشن پرشاد۔ مکاتیب کے اولین مجموعہ "شاد اقبال" میں علامہ مرحوم کے انہتر خطوط کے علاوہ کشن پرشاد کے باون خطوط شامل ہیں۔ اس مجموعے کو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے مرتب کیا تھا اور سب رس کتاب گھر، رفعت منزل، خیریت آباد، حیدر آباد دکن نے چھاپا۔ غالباً ان خطوط کو شائع کرنے کی تحریک کشن پرشاد کی طرف سے ہی ہوئی تھی، کیونکہ ان کی زندگی ہی میں انہتر خطوط اور کشن پرشاد کے جوابات اکٹھے کر لیے گئے تھے۔ لیکن یہ مجموعہ مہاراجا کی وفات (۱۹۴۰) کے بعد ۱۹۴۲ میں منظرِ عام پر آ سکا۔ مہاراجا کی وفات کے بعد ان کے ناظمِ اسٹیٹ مولوی مرزا احمد بیگ صاحب نے ان کے کاغذات میں مزید خطوط کی تلاش بھی کی لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد عبداللہ قریشی صاحب نے حیدر آباد کے دوستوں کی مدد سے علامہ کے مزید پچاس خطوط کا سراغ لگایا۔ چنانچہ اُس وقت کے اقبال اکیڈیمی کے ڈائرکٹر بشیر احمد ڈار صاحب نے ہزاروں روپے خرچ کرکے

انھیں اقبال اکیڈیمی کے لیے حاصل کیا ۔ توقع تھی کہ مکاتیبِ گرامی کی طرح یہ خطوط بھی اقبال اکیڈیمی شائع کرے گی لیکن یہ خطوط مجلسِ ترقی ادب کے رسالے ''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۳ میں عبداللہ قریشی کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئے۔

ننانوے خطوط کے اس ذخیرے کا پہلا خط یکم اکتوبر ۱۹۱۳ (''صحیفہ'' ص ۱۰۱) کو تحریر کیا گیا تھا جب کہ آخری خط ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ کو لکھا گیا ۔ علامہ کے خطوط کی سن وار تعداد کی تفصیل یہ ہے :

۱۹۱۳	۳	۱۹۲۰	
۱۹۱۴	۱۳	۱۹۲۱	۲
۱۹۱۵	۱۸	۱۹۲۲	۷
۱۹۱۶	۱۷	۱۹۲۳	۵
۱۹۱۷	۱۸	۱۹۲۴	۲
۱۹۱۸	۵	۱۹۲۵	۱
۱۹۱۹	۷	۱۹۲۶	۱

علامہ کا کشن پرشاد سے غائبانہ تعارف ۱۹۰۵ میں یا اس سے پہلے ہوگیا تھا کیونکہ ''دکن ریویو'' کے شمارہ ستمبر ۱۹۰۵ میں علامہ کی وہ غزل شائع ہوئی جو اقبال نے بغرضِ تعلیم انگلستان جاتے وقت راستے میں لکھی تھی ، اس غزل میں یہ شعر ملتا ہے :

نہ قدر ہو مرے اشعار کی گراں کیونکر
پسند ان کو وزیرِ نظام کرتے ہیں

تاہم کشن پرشاد سے علامہ کی اولین ملاقات مارچ ۱۹۱۰ میں ہوئی ۔ اُس وقت وہ حیدر آباد میں مدار المہام تھے۔ ۱۹۱۰ اور ۱۹۱۳ کے درمیانی عرصے میں علامہ کی مراسلت ضرور ہوئی ہوگی لیکن یہ خطوط ابھی تک دست یاب نہیں ہو سکے ۔ ۱۹۱۳ میں مہاراجا اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور اسی سال وہ پنجاب کی سیر کو نکلے اور لاہور میں ان کی علامہ سے کئی ملاقاتیں ہوئیں جن کا حال کشن پرشاد نے ''سیرِ پنجاب'' میں بیان کیا ہے ۔ مدار المہام کے عہدے پر شاد کی دوبارہ تقرری دسمبر ۱۹۲۶

میں ہوئی اور علامہ کا آخری خط بھی ۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ کا ہے ۔ یقیناً اس کے بعد بھی خط و کتابت رہی ہوگی ۔ لیکن یہ خطوط بھی دست یاب نہیں ہوسکے مکاتیب کے اس ذخیرے میں ۱۹۲۰ کا کوئی خط شامل نہیں ۔ قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس سال سرے سے کوئی مراسلت ہی نہیں ہوئی ۔ ۱۹۲۳ کے بعد خطوط کی تعداد کم ہونا شروع ہو جاتی ہے ۔ حتیٰ کہ ۱۹۲۶ میں صرف ایک ہی خط ملتا ہے ۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاد سے علامہ کی دلچسپی یا دوسرے لفظوں میں علامہ کی شاد سے دلچسپی کیوں گھٹتی گئی ؟ اور پھر ۱۹۲۶ میں مدار المہام کے عہدے پر دوبارہ فائز ہونے کے بعد شاد کی یہ آرزو کیوں نہ پوری ہو سکی کہ علامہ کو حیدر آباد بلا لیا جائے ؟ حالانکہ شاد چاہتے تو علامہ کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے ۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو علامہ کے بعد کے خطوط کی عدم موجودگی میں ہنوز جواب طلب ہی رہے گا ۔ ۱۹۱۳ اور ۱۹۲۶ کے درمیان لکھے جانے والے خطوط میں بین السطور شاد اور اقبال کی آرزوئیں کروٹ لے رہی ہیں ۔ شاد ریاست حیدر آباد کے عہدے کے امیدوار ہیں اور اقبال کی نظریں عثمانیہ یونیورسٹی کے کسی بڑے عہدے یا حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی پر لگی ہوئی ہیں ۔ علامہ کی یہ آرزو بظاہر شاد کی آرزو سے بندھی نظر آتی ہے ۔

''شاد اقبال'' میں ۱۹ دسمبر ۱۹۱۹ اور اکتوبر ۱۹۲۲ کے درمیانی اڑھائی سال کے خطوط فراہم نہ ہو سکنے پر افسوس کیا گیا ہے ۔ اس عرصے کے خطوط بھی ''صحیفہ'' اقبال نمبر میں محفوظ ہو گئے ہیں ۔ انھی خطوط میں سے ایک خط محررہ ۲۲ فروری ۱۹۲۲ ''صحیفہ'' میں اقبال کے خطوط کی اشاعت سے پہلے ''جنگ'' کراچی کی اشاعت ۲۲ اپریل ۱۹۷۲ میں شائع ہوا ۔

''شاد اقبال'' کے خطوط کے ساتھ حواشی و تعلیقات نہیں ہیں ۔ تاہم گلشن پرشاد کے اپنے خطوط سے علامہ کے خطوط کے بعض گوشے واضح ہو جاتے ہیں ۔ غالباً شاد کے ہاں اپنے جوابات کی نقول رکھنے کا اہتمام اکتوبر ۱۹۱۶ سے پہلے نہیں تھا کیونکہ اس دور کے جو خطوط ''صحیفہ'' میں شامل ہوئے ہیں ان کے ساتھ شاد کے خطوط شامل نہیں ہیں ۔ تاہم عبداللہ قریشی کے حواشی ، تعلیقات اور مقدمے نے کوئی الجھن رہنے نہیں دی ۔ ان کی

عرق ریزی اور محنت کی داد نہ دینا ادبی بد دیانتی ہو گی ۔

مکاتیبِ اقبال کے اس مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ اردو ادب کے دو درخشندہ ستاروں کے باہمی تعلقات کی جگمگاتی ہوئی تصویر نظر آتی ہے ۔ اس سے دونوں کے اعتقادات ، مزاج ، روحانیت و عبادات ، اہل اللہ سے غیر معمولی عقیدت اور پرائیویٹ زندگی کے بعض نئے گوشوں کی وضاحت ہوتی ہے ۔ دونوں کے ہاں مستقبل کی بعض امیدوں کی کسک پائی جاتی ہے ۔ باہمی تعلقات میں اتنی اپنائیت ہے کہ دونوں انتہائی ذاتی نوعیت کے معاملات میں بھی ایک دوسرے کے مشورے کے طالب ہوتے ہیں ۔ اس پر طرہ یہ کہ علامہ کے یہ خطوط ادبی حیثیت سے بھی علامہ کا بہترین نثری نمونہ ہیں ۔ تصوف کے متعلق علامہ کے خیالات کے لیے بھی ان خطوط کا مطالعہ ناگزیر ہے ۔ اس مجموعے کی تدوین میں ایک دو کمیوں کی طرف اشارہ کر دینا بے سود نہ ہوگا ۔ وہ یہ کہ ''شاد اقبال'' کے پہلے خط کی تاریخ محررہ یکم اکتوبر ۱۹۱۲ ہے ، نہ کہ یکم نومبر ۱۹۱۲ ۔ علاوہ ازیں علامہ کے ایک خط (ص ۱۲۵) پر مہینہ تو دسمبر لکھا ہے لیکن سنہ کا اندراج نہیں ۔ یہ خط ۱۹۲۲ میں لکھا گیا تھا ۔ معلوم نہیں زور صاحب سے خط کا متن پڑھنے میں غلطی ہوئی یا علامہ اقبال ہی سنہ لکھنا بھول گئے ۔ علامہ کے بعض خطوط کا متن مکمل طور درج نہیں ہے ۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ تحریر پڑھی نہیں جا سکی ۔ لیکن اس کی وجہ علامہ کے پرائیویٹ معاملات کو اخفا میں رکھنے کی ایک کوشش بھی ہو سکتی ہے ۔ اس طرح کی کمیاں ''شاد اقبال'' کے درجِ ذیل خطوط میں موجود ہیں :

خط محررہ :
۱۵ دسمبر ۱۹۱۹
۱۱ نومبر ۱۹۲۲
- دسمبر ۱۹۲۲
۲۹ دسمبر ۱۹۲۲
۱۹ مارچ ۱۹۲۳
۱۸ مئی ۱۹۲۳

''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۲ میں موجود خطوط کا تذکرہ ان کے سالِ اشاعت (۱۹۷۲) سے قطع نظر ''شاد اقبال'' کے خطوط کے ساتھ ہی کیا گیا ہے ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ "شاد اقبال" کے خطوط اور "صحیفہ" کے خطوط کو یک جا شائع کیا جائے ۔ اس لیے کہ اول الذکر مجموعہ ۱۹۴۲ کے بعد اب تک دوبارہ نہیں چھپا جب کہ آخر الذکر مجموعہ کتابی صورت میں منظرِ عام پر نہ آنے کی وجہ سے ابھی تک اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین تک نہیں پہنچ سکا ۔ اقبالیاتی اداروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے ۔

مکاتیب بنام جناح ۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے نام علامہ اقبال کے خطوط قائد اعظم کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے ۔ اس کا دیباچہ بھی خود قائد اعظم نے لکھا تھا ۔ لیکن ان خطوط کی اشاعت ۱۹۴۳ میں شیخ محمد اشرف کے تعاون سے ہو سکی ۔ اس مجموعے کا پہلا اردو ترجمہ عبدالرحمٰن سعید نے کیا جسے ادارہ اشاعتِ اردو حیدر آباد دکن نے شائع کیا ۔ یہ واحد مجموعہ ہے جس کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی ، دو وجوہ کی بنا پر : اول یہ کہ مجموعہ مختصر تھا اور دوم پاکستان بننے سے پہلے اور بعد ان خطوط کی سیاسی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہو چکی تھی ۔ یہی وہ خطوط ہیں جنھوں نے قائد اعظم کو اس نہج پر سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے اور اگر مسلمانوں کو تاریخ میں اپنا نام محفوظ رکھنا ہے اور اپنی انفرادیت برقرار رکھنی ہے تو انھیں ایک الگ وطن حاصل کرنا چاہیے ۔

اس مجموعے میں کل تیرہ خطوط ہیں ۔ پہلا خط ۲۳ مئی ۱۹۳۶ کو اور آخری خط ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ کو لکھا گیا تھا ۔ مسلم لیگ کی پنجاب میں تنظیمِ نو کے سلسلے میں قائدِ اعظم کی علامہ سے اولین ملاقات مئی ۱۹۳۶ کے اوائل میں ہوتی ہے ۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۶ کو بکی گیٹ کے باہر میاں عبدالعزیز کے مکان میں علامہ کی صدارت میں لاہور کے مسلمانوں کا ایک اجلاس منعقد ہوتا ہے جس میں علامہ اقبال پنجاب مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے ایک نیا انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیتے ہیں ۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام علامہ کا ایک خط بشیر احمد ڈار کی مرتبہ کتاب " لیٹرز اینڈ رائٹنگز آف اقبال " (ص ۱۰۵) میں شائع ہوا ہے ۔ اس خط پر تاریخ ۸ نومبر ۱۹۳۴ درج ہے جو غلط ہے ۔ یہ خط ۸ نومبر ۱۹۳۷ کو لکھا گیا تھا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ کی آنکھوں میں

ہو گیا بند اترنے سے ان کے لیے لکھنا پڑھنا ناممکن ہو گیا تھا ۔ اس دور کے تمام خطوط علامہ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں ۔ متذکرہ مجموعے کے آخری خط محررہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ کے بعد بھی علامہ اقبال کی قائدِ اعظم سے خط و کتابت جاری رہی ۔ ۸ نومبر ۱۹۳۷ کے خط پر پنجاب مسلم لیگ کے سیکریٹری غلام رسول کے دستخط ہیں ۔ اس طرح کے دو مزید خطوط عاشق حسین بٹالوی کی کتاب "علامہ اقبال کے آخری دو سال" کے صفحات ۵۷۲ اور ۵۸۲ پر دیکھے جا سکتے ہیں ۔ یہ دو خطوط ۱۷ فروری ۱۹۳۸ اور ۷ مارچ ۱۹۳۸ کو لکھے گئے تھے ۔ ان خطوط پر بھی غلام رسول کے دستخط ہیں ۔ یوں قائد اعظم کے نام علامہ کے معلومہ خطوط کی تعداد سولہ تک پہنچ جاتی ہے۔[۲]

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام علامہ کے اولین خط محررہ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ سے پہلے بھی خط و کتابت جاری رہی لیکن افسوس ہے کہ یہ خطوط دست یاب نہیں ہو سکے ۔ جناح کے نام علامہ کے تیرہ خطوط شیخ عطاء اللہ کے مرتبہ "اقبالنامہ"، جلد دوم میں بھی شائع ہوئے ہیں ۔ ان کا انگریزی متن بشیر احمد ڈار کی مرتبہ کتاب Letters of Iqbal میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔

ان مکاتیب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں علامہ کا جناح پر بھرپور اعتماد ظاہر ہوتا ہے ۔ ان خطوط کے مطالعے سے اُس دور کی عموماً اور مسلم لیگ کی خصوصاً سیاسی صورتِ حال کا پتہ چلتا ہے ۔ یونینسٹ پارٹی کی چالاکیاں ، مسلمانانِ ہند کا قومی تشخص برقرار رکھنے کی سعی ، مسلم ریاست کا قیام ، ہندوؤں کا مسلمانوں سے تعصب ، مسئلۂ فلسطین کے بارے میں مسلم لیگ کی پالیسی اور مسلم لیگ کو صحیح معنوں میں عوامی جماعت بنانے کی آرزو جھلک رہی ہے ۔ ۲۱ جون ۱۹۳۷ کے خط میں علامہ کے یہ الفاظ کہ "شمال مغربی ہندوستان اور بنگالی مسلمان ،

۲۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام دو خطوط "قومی زبان" کے اپریل ۱۹۸۱ کے شمارے میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۔ یوں خطوط کی تعداد ۱۸ بنتی ہے ۔

ہندوستان اور بیرون ہند دوسری قوموں کے مثل کیوں نہ شمار کیے جائیں"
سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے ذہن میں مستقبل کے پاکستان کا کتنا واضح
نقشہ موجود تھا ۔ یہ ایک خواب تھا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے علامہ
نے صحیح وقت پر صحیح آدمی کا انتخاب کیا تھا ۔ علامہ کی "دیدۂ بینا"
کا اعتراف متذکرہ مجموعے کے دیباچے میں خود قائد اعظم نے کیا ہے ۔

"اقبالنامہ" جلد اول ۔ شیخ عطاء اللہ کا مرتب کردہ یہ مجموعۂ مکاتیب
شیخ محمد اشرف ، تاجر کتب ، کشمیری بازار ، لاہور ، کے اہتمام سے شائع ہوا ۔
جلد اول میں مرتب نے خطوط کی تعداد درج نہیں کی ، لیکن آخری خط کا
نمبر ۲۶۷ ہے اور اس کے بعد بھی ایک خط ڈاکٹر نکلسن کے نام درج ہے ۔
خود مرتب نے "اقبالنامہ" جلد دوم میں جلد اول کے خطوط کی تعداد ۲۶۷
بتائی ہے ، لیکن دونوں باتیں درست نہیں ہیں ۔ اس مجموعے کے بعض نقائص
ایسے ہیں جن سے خطوط کی تعداد الجھ کر رہ گئی ہے ۔ ہمارے خیال میں
اس مجموعے میں خطوط کی کل تعداد ۲۶۶ ہے[۳] ۔ تعداد میں فرق اس لیے ہے
کہ اس مجموعے میں خط نمبر ۱۸۳ اور خط نمبر ۲۰۲ سرے سے موجود
ہی نہیں ہیں ۔ مزید برآں خط نمبر ۲۰۵ خط نہیں ہے ، بلکہ یہ اسد ملتانی
کا "شبنم کا قطرہ" دیا ہوا ہے ۔

۲۶۶ خطوط کے اس مجموعے میں متعدد خامیاں موجود ہیں ۔ ایسا
لگتا ہے کہ اس مجموعے کو کسی اسکیم کے بغیر افراتفری میں مرتب کیا
گیا ۔ بعض خطوط کے تراجم ناقص ہیں ، اور اس پر مستزاد یہ کہ خطوط
کا متن پڑھنے میں بے شمار غلطیاں سر زد ہوئی ہیں ۔ بعض غیر متعلق چیزیں
بھی اس مجموعے میں شامل کر لی گئی ہیں ، مثلاً مسئلۂ فلسطین پر بیان
(ص ۴۵۱) ، شبنم کا قطرہ : اسد ملتانی (ص ۳۴۰) ، لمعہ حیدر آبادی کی
نظم (ص ۲۹۳) ۔

اس مجموعے میں دوسری چیز جو محل نظر ہے وہ اس کی سال اشاعت
ہے ۔ طبع اول پر سال اشاعت کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ البتہ جلد دوم کے

۳۔ اس میں وہ خط بھی شامل ہے جو مانٹ مورینسی کے نام ہے اور
دیباچے میں دیا ہوا ہے ۔

دیباچے میں مولف نے صراحت کی ہے کہ یہ مجموعہ ۱۹۴۵ میں شائع ہوا ۔ ایسا لگتا ہے کہ ''کتابیات اقبال'' کے مولف ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے بھی شیخ صاحب کے بیان پر انحصار کرتے ہوئے سالِ اشاعت ۱۹۴۵ لکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ سنہ درست نہیں ۔ دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب فروری ۱۹۴۳ میں مرتب کرنا شروع کی اور اس میں ڈیڑھ سال کا عرصہ لگا ۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم اس کتاب کا دیباچہ ۱۹۴۴ میں لکھا جا چکا تھا ۔ اور اس کی اشاعت بھی ۱۹۴۴ میں ہوئی ہوگی ۔ ہمارے اس بیان کو اور ایک شہادت سے بھی تقویت ملتی ہے ۔ میر ولی اللہ ایبٹ آبادی جو علامہ کے معاصر ہونے کے ساتھ علامہ کے دوست تھے اقبال کے متعلق ہر کتاب منگوا کر اپنی لائبریری میں محفوظ کر لیتے تھے ۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں جو انھوں نے بعد میں پشاور یونیورسٹی کو عطیے کے طور پر دے دیا ''اقبالنامہ'' جلد اول کا ایک نسخہ بھی موجود ہے جو انھیں شیخ احمد نامی کسی صاحب نے بطورِ عطیہ دیا تھا ۔ نسخہ پیش کرنے کی تاریخ ۴ دسمبر ۱۹۴۴ ہے جو اس بات کے ثبوت میں مضبوط دلیل ہے کہ یہ مجموعہ ۱۹۴۴ کے اواخر میں شائع ہو چکا تھا ۔

اس مجموعے کا ایک اور نقص یہ ہے کہ بعض خطوط نامکمل طور پر درج ہیں ، مثلاً خط نمبر ۱۸۲ (ص ۳۱۰) بنام پروفیسر شفیع صاحب نامکمل طور پر درج ہے ۔ اسی طرح خط ص ۳۶۱ بنام سر راس مسعود کا ابتدائی حصہ بھی درج نہیں کیا جا سکا ۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ دونوں خطوط کا ابتدائی حصہ پڑھا نہیں جا سکا ۔ اگر آج ان خطوط کے عکس ہمارے سامنے موجود ہوتے تو یقیناً عبارت کا ابہام دور ہو جاتا ، لیکن کتاب کے مرتب نے اس کے اہتمام کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ خط نمبر ۹ ص ۲۰ کی ذیل میں ایک سالم نظم جو علامہ نے اپنے خط میں درج کی تھی گول کر گئے ہیں اور نوٹ میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ یہاں علامہ کی نظم درج تھی ۔ گویا اس خط کو بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا ۔ اسی طرح غلام مصطفیٰ المراغی ، شیخ جامعہ ازہر کے نام ، خط (ص ۲۵۱) بھی نامکمل ہے ۔ اس خط میں القاب و آداب اور تاریخِ تحریر بھی درج نہیں ۔ خط نمبر ۱۶۲ بنام

عباس علی خان لمعہ کا بھی مکمل متن درج نہیں ہے اور چند الفاظ پڑھے نہیں جا سکے ۔ بعض خطوط کے مکتوب الیہ مشکوک ہو گئے ہیں : مثلاً

- خط نمبر ۲۵۱ تا ۲۵۳ بنام عشرت رحمانی دراصل وحید احمد مسعود کو لکھے گئے تھے ۔ (ملاحظہ ہو ''اوراقِ گم گشتہ'' مرتبہ رحیم بخش شاہین)
- خط نمبر ۲۳ ص ۵۸ بنام ظہور الدین مہجور دراصل منشی محمد دین فوق کے نام لکھا گیا تھا ۔ ملاحظہ ہو ''انوارِ اقبال'' ، (ص ۷۰) ''تذکرہ شعرائے کشمیر'' منشی محمد دین فوق ہی نے لکھی تھی ۔ ''انوارِ اقبال'' اور ''اقبالنامہ'' میں موجود اس خط کے متوں میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں ، مثلاً ''انوارِ اقبال'' میں ''مسلمان اب بھی موجودہ لٹریچر تلاش و حفاظت کے لیے ۔ ۔ ۔ الخ'' میں ''مرتب اقبالنامہ'' لفظ ''تلاش'' چھوڑ گئے ہیں ۔ اس سے اگلی سطر میں ''تذکرہ شعرائے کشمیر'' کے بجائے ''تذکرہ کشمیر'' درج کیا ہے ۔ اس سے پہلے ایک جگہ ''مسلمانان کشمیر کی غفلت'' کے بجائے ''مسلمانوں کی غفلت ۔ ۔ ۔'' لکھ گئے ۔ ''بار آور ثابت ہوگی ۔ ۔ ۔'' میں لفظ ''ثابت'' زائد ہے ۔ اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ سالِ تحریر درج نہیں بلکہ صرف مہینہ اور تاریخ (۱۲ مارچ ۔ ۔ ۔) پر ہی اکتفا کیا ہے ۔ ان بے احتیاطیوں کے پیشِ نظر اس مجموعے کے دوسرے خطوط کی صحت و استناد بھی مشکوک ہو جاتی ہے ۔
- اس مجموعے میں سولہ انگریزی خطوط کے اردو تراجم دیے گئے ہیں ، لیکن اس کے علاوہ بھی بعض پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ خطوط انگریزی میں لکھے گئے تھے ، مثلاً خط نمبر ۱۰۹ (ص ۲۱۷ بنام شجاع الدین) ، خط نمبر ۱۴۷ - ۱۴۸ (ص ۲۶۷ - ۲۶۹ بنام لمعہ حیدر آبادی) ، خط نمبر ۲۶۱ (ص ۴۳۵ بنام نعیم الحق) ، لیکن مولف نے اس کی صراحت نہیں کی ۔
- ایک ہی مکتوب الیہ کے سلسلے میں ایک سے زیادہ خطوط کی ترتیب زمانی ہے ، لیکن بعض جگہوں پر اس کا اہتمام نہیں کیا جا سکا ۔ چنانچہ بعض صورتوں میں خط کی تاریخ پر شک گزرتا ہے ، مثلاً

خط نمبر ۹۴ زمانی ترتیب کے لحاظ سے غلط جگہ پر لگا ہوا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس خط کا سنہ بھی ۱۹۲۴ ہو گا، لیکن اس کا سنہ ۱۹۲۲ ہی درست ہے، اس لیے کہ "پیام مشرق" ۱۹۲۳ میں چھپ گئی تھی۔ لہٰذا یہ خط ۱۹۲۳ سے پہلے کا ہونا چاہیے۔ خط نمبر ۱۵۱ بھی غلط جگہ لگا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا سنہ بھی مشکوک ہے۔ خط ۱۸۵ - ۱۸۶ (ص ۳۱۵ - ۳۱۶) میں تقدیم و تاخیر کا فرق پایا جاتا ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ تاریخیں درست ہیں، لیکن انھیں بہر طور غلط جگہ پر لگایا گیا ہے۔ خط نمبر ۳۹ اور ۴۱ (ص ۸۴، ۸۷) کی زمانی ترتیب غلط ہے۔ اگر ان کی ترتیب درست مان لی جائے تو پھر ان کی تاریخ اور مہینہ مشکوک ہو جائے گا۔

"اقبالنامہ" جلد اول میں سب سے بڑی خامی تاریخ و سنہ کے بارے میں مرتب کی بے احتیاطی ہے۔ ان گنت خطوط کی تاریخ مہینہ یا سال غلط لکھا ہے۔ یا سرے سے لکھا ہی نہیں۔ مرتب نے دیباچے میں لکھا ہے کہ وہ مکاتیب کے سلسلے میں تقدیم و تاخیر کو اہم نہیں سمجھتے، حالانکہ علامہ کے افکار کو اپنے عہد کے حوالے سے پرکھنے اور ان کی مستند سوانح حیات مرتب کرنے کے کام میں خطوط کی تاریخ محررہ کا صحیح صحیح معلوم ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس طرح کی بعض بے احتیاطیاں کتابت کی غلطیوں کی بدولت بھی ہو گئیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مرحوم کے خطوط کو پڑھنے میں بھی مولف و مرتب نے ٹھوکر کھائی۔ علامہ کے بعض ہندسے مبہم ہوتے ہیں۔ مثلاً ۵ اور صفر میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ ۲ اور ۳، ۲ اور ۴ میں بھی بعض اوقات تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قبیل کی جو غلطیاں "اقبالنامہ" میں موجود ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

- خط نمبر ۷۷ - ص ۱۶۱ بنام سید سلیمان ندوی: غلط تاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹: صحیح تاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۹ (علامہ اقبال ۱۹۳۹ میں زندہ نہیں تھے)۔

- خط نمبر ۸۳ ص ۱۷۰ بنام سید سلیمان ندوی: غلط تاریخ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳: صحیح تاریخ ۵ اکتوبر ۱۹۳۳ (صحیح تاریخ کے متعلق راہ نمائی خط نمبر ۸۵ ص ۱۷۲ سے ہو جاتی ہے)۔

- خط نمبر ۸۸ ص ۱۷۱ بنام سید سلیمان ندوی : غلط تاریخ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ : صحیح تاریخ ۹ اکتوبر ۱۹۳۳ (ایضاً) ۔
- خط نمبر ۸۹ ص ۱۷۶ بنام سید سلیمان ندوی : غلط تاریخ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ : صحیح تاریخ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۲ (خط نمبر ۸۸ سے صحیح راہ نمائی ہو سکتی ہے) ۔
- خط نمبر ۱۰۰ ص ۱۹۶ بنام سید سلیمان ندوی : غلط تاریخ ۲۳ اگست ۱۹۳۳ : صحیح تاریخ ۲۳ اگست ۱۹۳۵ (علامہ بھوپال بغرضِ علاج پہلی دفعہ فروری ۱۹۳۵ میں اور پھر جولائی ۱۹۳۵ میں گئے تھے ۔ لہذا یہ خط ۱۹۳۵ ہی کا ہونا چاہیے) ۔
- خط نمبر ۱۱۰ ص ۲۱۸ بنام پروفیسر شجاع : غلط تاریخ ۲۰ جنوری ۱۹۳۱ : صحیح تاریخ ۳۰ جنوری ۱۹۳۱ - ۲۰ جنوری کو پروفیسر شجاع کے نام پہلا خط لکھا گیا تھا ۔ خط نمبر ۱۰۹ اس خط کے بعد لکھا گیا تھا ۔ لہذا خط نمبر ۱۱۰ کی زیادہ قرین قیاس تاریخ ۳۰ جنوری ۱۹۳۱ ہے ۔ اس الجھن کا سبب کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے یا مولف کو خط پڑھنے میں تسامح ہوا ۔
- خط نمبر ۱۶۳ ص ۲۸۶ بنام عباس علی خان لمعہ : غلط تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۳۵ : صحیح تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۳۴ ۔ اس خط میں لکھا ہے کہ "میں انشاء اللہ آپ کے حسبِ خواہش ضرور بھوپال جا کر بجلی کے ذریعے علاج کراؤں گا ۔" علامہ مئی ۱۹۳۵ میں بھوپال کے پہلے سفر سے واپس آ گئے تھے ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ رہوڈز لیکچرز کے سلسلے میں علامہ نے ۱۹۳۵ میں نہیں بلکہ دسمبر ۱۹۳۴ میں (زیادہ سے زیادہ) انگلستان جانے کا ارادہ بدل دیا تھا ۔[۴] زیرِ بحث خط میں صرف سفر ملتوی کرنے کا امکان ظاہر کیا ہے ۔ لہذا یہ خط ۲ اگست ۱۹۳۴ سے پہلے لکھا گیا ہوگا ۔ اس لیے زیادہ قرین قیاس تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۳۴ ہے ۔
- خط نمبر ۱۷۶ ص ۳۰۲ بنام ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین : غلط تاریخ ۲۴ مئی ۱۹۳۲ : صحیح تاریخ ۲۴ مئی ۱۹۳۲ ۔ یہ خط خط نمبر

۱۷۵ اور ۱۷۷ کے درمیان لکھا گیا ۔ ان خطوط کو پڑھ کر صحیح تاریخ کی راہ نمائی ہو جاتی ہے ۔

- خط نمبر ۱۹۵ ص ۳۲۸ بنام ممنون حسن خان: غلط تاریخ ۲ اگست ۱۹۳۵ : صحیح تاریخ ۲ اگست ۱۹۳۷ (راس مسعود کا انتقال ۱۹۳۵ میں نہیں ۱۹۳۷ میں ہوا تھا) ۔
- خط نمبر ۲۴۱ ص ۴۰۷ بنام مسعود عالم ندوی : غلط تاریخ ۲۸ مئی ۱۹۳۹ : صحیح تاریخ ۲۸ مئی ۱۹۳۶ (کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے یا خط پڑھنے میں کوتاہی ہوئی ہے ۔ زیادہ قرینِ قیاس ۱۹۳۶ ہے) ۔
- خط نمبر ۲۵۱ ص ۴۲۱ بنام صغرا بیگم ہمایوں مرزا : غلط تاریخ ۲۸ فروری ۱۹۲۳ ؛ صحیح تاریخ ۱۸ فروری ۱۹۲۳ ("ادبی دنیا" اقبال نمبر میں تاریخ ۱۸ فروری ۱۹۲۳ دی ہوئی ہے) ۔
- خط نمبر ۲۶۲ ص ۴۳۹ بنام (   ) غلط تاریخ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ : صحیح تاریخ ۲ ستمبر ۱۹۳۳ (خط نمبر ۲۶۲ پڑھ کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط ۱۹۲۲ میں نہیں ۱۹۳۳ میں لکھا گیا ہو گا) ۔

ان فروگذاشتوں کے علاوہ کئی خطوط پر یا تو سنہ درج نہیں ہے یا ان پر تاریخ درج نہیں ۔ تین وجوہ سے ایسا ہوا ہو گا ۔ اول علامہ خط لکھتے وقت خود تاریخ لکھنا بھول گئے ہوں گے ۔ دوم مرتب نے خط نقل کرتے ہوئے خط کی تاریخ اخذ کرنے میں جستجو نہیں کی ہوگی ، یا ''گول'' کرگئے ہوں گے ۔ سوم کاتب سے بھی بعض تاریخیں چھوٹ جانے کا امکان ہے ۔ چونکہ ان خطوط کی زمانی ترتیب علامہ کے سوانح کے پہلو سے بہت اہم ہے لہذا داخلی اور خارجی شہادتوں سے ان خطوط کی صحیح تاریخ ، ماہ یا سال اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

- خط نمبر ۴ ص ۷ پر تاریخ درج نہیں ہے ۔ علامہ نے بھائی گیٹ کی قیام گاہ سے یہ خط لکھا تھا ۔ علامہ بغرضِ تعلیم انگلستان جانے

۴۔ ملاحظہ ہو خط بنام لمعہ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۴ (''اقبالنامہ'' ص ۲۸۱) اور خط بنام نذیر نیازی ۲ اگست ۱۹۳۴ (''مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی'' ص ۱۸۰) ۔

سے پہلے یہیں رہتے تھے ۔ خط میں جس نظم کا ذکر کیا گیا ہے وہ اخبار "وطن" کے شمارہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ میں چھپی تھی ۔ لہذا قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ خط بھی مارچ ۱۹۰۳ ہی میں لکھا گیا ہوگا ۔

- خط نمبر ۱۰۹ ص ۲۱۷ بنام پروفیسر شجاع بھی بلا تاریخ ہے ، لیکن مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خط نمبر ۱۰۸ کے بعد اور خط نمبر ۱۱۰ سے پہلے لکھا گیا تھا ۔ لہذا اس خط کی تاریخِ محررہ بھی جنوری ۱۹۳۱ ہوگی ۔
- خط نمبر ۱۲۲ ص ۲۳۲ بنام سید غلام میران شاہ پر بھی تاریخ درج نہیں ہے ، لیکن زیادہ قرینِ قیاس تاریخ مارچ ۱۹۳۸ ہو سکتی ہے ۔ مکتوب الیہ نے حج سے واپسی پر کراچی سے بخیریت پہنچنے کا تار دیا تھا ۔ خط ۱۲۱ ص ۲۳۰ جو جاوید منزل لاہور سے ۲۹ مارچ ۱۹۳۸ کو لکھا گیا تھا زیرِ بحث خط سے پہلے لکھا گیا تھا ، کیونکہ اس خط میں سفرِ حج کے مکمل تاثرات ہیں جب کہ زیرِ نظر خط میں صرف کراچی پہنچنے کی اطلاع ہے ۔ لہذا زیرِ بحث خط ۲۹ مارچ سے پہلے لکھا گیا ہوگا ۔ چنانچہ تاریخ محررہ ۱۹۳۸ طے کی گئی ہے ۔
- خط نمبر ۱۳۴ ص ۲۴۶ بنام میجر سعید محمد خان : جو "سیرتِ اقبال" از پروفیسر طاہر فاروقی سے نقل کیا گیا ہے بلا تاریخ ہے ۔ میجر سعید محمد خان مولانا محمد علی جوہر کے بہترین دوست اور عقیدت مند تھے ۔ زیرِ بحث خط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط علامہ کے دورۂ میسور سے واپسی کے بعد لکھا گیا ۔ اس دورے میں آپ نے ٹیپو سلطان شہید کا مزار بھی دیکھا تھا ۔ خط کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ خط لکھتے وقت سفرِ میسور کے مشاہدات تازہ تھے ۔ علامہ نے دسمبر ۱۹۲۸ میں میسور کا دورہ کیا تھا اور سلطان موصوف کے مزار پر حاضری دی تھی ۔ علامہ میسور کے سفر سے ۱۸ فروری ۱۹۲۹ سے پہلے واپس آ گئے تھے ۔ لہذا علامہ کا یہ خط فروری یا مارچ ۱۹۲۹ میں لکھا گیا ہوگا ۔
- خط نمبر ۱۴۰ ص ۲۵۵ پر بھی تاریخ درج نہیں ہے ۔ چونکہ اولاً ہوالڈ

ایسوسی ایشن ایم اے او کالج علی گڑھ کا مذکورہ سالانہ اجلاس ۱۹۱۳ میں ہوا تھا لہذا یہ خط بھی ۱۹۱۳ میں لکھا گیا ہوگا ۔

- خط نمبر ۱۹۱ ص ۳۲۴ : خط نمبر ۱۹۰ پڑھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ خط ستمبر یا اکتوبر ۱۹۲۷ میں لکھا گیا ہو گا ۔
- خط بنام ڈاکٹر نکلسن ص ۵۷۴ پر بھی تاریخ درج نہیں ہے ۔ بشیر احمد ڈار کی مرتبہ Letters of Iqbal میں اس کی تاریخ محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ درج ہے ۔ واضح ہو کہ Bibliography of Iqbal مرتبہ خواجہ عبدالوحید میں اس خط کا سالِ تحریر ۱۹۲۷ دیا گیا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا ۔
- خط نمبر ۲۶۳ ص ۴۴۰ بنام (   ) بھی بلا تاریخ ہے ۔ خط نمبر ۲۶۲ ، ۲۶۳ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط نمبر ۲۶۲ مرقومہ یکم ستمبر ۱۹۳۳ سے پہلے لکھا گیا تھا ۔ لہذا اس کی تاریخِ محررہ کا تعین اگست ۱۹۳۳ کیا گیا ہے ۔

ان فروگذاشتوں کے علاوہ دوسری خامیاں حسبِ ذیل ہیں :

- ڈی ماؤنٹ مورنسی کے نام ایک خط دیباچے میں شامل کیا گیا ہے ۔
- خط نمبر ۲۰۷ پر نمبر غلط لگایا ہے ۔ یہ دراصل خط نمبر ۲۰۶ ہے ۔
- بعض خطوط پر حواشی موجود ہیں لیکن اکثر خطوط اس سے مبرا ہیں ۔ اس لیے خطوط کے نفسِ مضمون کے متعلق کئی الجھاؤ پیدا ہوتے ہیں ۔ سید سلیمان ندوی کے نام خطوط میں حاشیے کا التزام کیا گیا ہے ، لیکن یہ حاشیہ خطوط کے ساتھ سید سلیمان ندوی نے ندوہ سے شیخ عطاء اللہ کو بھیجا تھا ۔
- ''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۶۸ پر لکھا ہے کہ ''سید ظفر الحسن کے نام کا گراں قدر مجموعہ دوسرے حصے میں شائع ہوگا ، لیکن ''اقبالنامہ'' جلد دوم میں یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا ۔ یہ خطوط بعد میں ''نقوش'' میں شائع ہوئے تھے ۔

اقبال کے خطوط کو نقل کرنے میں خاصی بے احتیاطی برتی گئی ہے جس کی ایک نمایاں مثال سید سلیمان ندوی کے خطوط ہیں ۔ یہ خطوط سب

سے پہلے ''اقبالنامہ'' جلد اول میں شائع ہوئے تھے ، لیکن سید سلیمان ندوی کے انتقال کے بعد مشاہیر نام کے ان کے خطوط ''معارف'' اپریل ۱۹۵۴ تا نومبر ۱۹۵۴ کے شماروں میں اور جنوری ۱۹۵۵ تا جون ۱۹۵۵ کے ''معارف'' میں آثار علمیہ و ادبیہ کے عنوان سے چھپتے رہے ہیں ۔ ''معارف'' میں شائع ہونے والے خطوط اور ''اقبالنامہ'' جلد اول میں موجود خطوط کے موازنے سے متن کے بعض اختلافات دیکھنے میں آئے ہیں ، مثلاً :

خط ص ۸۷ (۳ اکتوبر ۱۹۱۸) ''اقبالنامہ'' جلد اول : درحقیقت از مجاز
''معارف'' : درحقیقت از مزاج ۵

خط ص ۹۱ (۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ : آخری سطر سے پہلی سطر کے مصرع : زیردستِ چرخ بودن از گل بے فطرتی ست الخ ''معارف'' میں ''الخ'' کا لفظ نہیں ہے ۔ ۶

ص ۲۳۴ پر تین خطوط ایسے بھی درج ہیں جن کا مکتوب الیہ گم نام ہے ۔ مرتب اقبالنامہ نے لکھا ہے کہ یہ خطوط سید نعیم الحق صاحب کا عطیہ ہیں اور ان کا خیال ہے کہ شیخ عبداللہ کے نام لکھے گئے تھے ۔ شیخ صاحب نے مزید لکھا ہے کہ ان کے خیال میں یہ کسی اور بزرگ کے نام لکھے گئے ہیں ۔ یوں ان خطوط کا مکتوب الیہ گم نام ہو گیا ہے ۔ شیخ عطاء اللہ صاحب تھوڑی سی محنت اور جستجو کرتے تو انہیں اس مسئلے کو حل کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہوتی ۔

ان تین مکتوبات میں پہلا خط یکم ستمبر ۱۹۳۳ کو لاہور سے لکھا گیا ۔ دوسرے مکتوب پر تاریخ اگرچہ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ لکھی ہے لیکن یہ غلط ہے ۔ یہ خط بھی ۱۹۳۳ ہی میں لکھا گیا تھا ۔ تیسرے خط پر اگرچہ تاریخ درج نہیں ہے لیکن جیسا کہ راقم الحروف پہلے واضح کر چکا ہے کہ یہ خط اگست ۱۹۳۳ میں لکھا گیا تھا ۔ ان خطوط کے مکتوب الیہ کی دریافت کے سلسلے میں راقم الحروف کی تحقیقات درجِ ذیل ہیں ۔

پہلے خط کا القاب ''جناب من'' اور دوسرے دو خطوط کا القاب

۵۔ ''معارف'' جلد ۴ شمارہ ۷۳ ۔ ۶۔ ''معارف'' مئی ۱۹۵۴ ۔

''جناب مولوی صاحب'' ہے ۔ مولوی صاحب اور جناب من کا القاب علامہ کے کئی خطوط میں ملتا ہے ، اس لیے امتیاز کرنا مشکل ہے کہ یہ کون سے مولوی صاحب ہیں ۔ تینوں خطوط کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی صاحب کو لکھے گئے تھے ۔ اور وہ پٹنہ میں مقیم تھے کیونکہ خط میں پٹنہ کے وکیل سید نعیم الحق کے لیے کچھ پیغامات ہیں ۔ ان کا شکریہ ادا کرنے کو بھی کہا گیا ہے ۔

مکتوب الیہ کی جستجو کے ضمن میں ستمبر اور اکتوبر ۱۹۳۳ میں لکھے جانے والے علامہ کے تمام خطوط کو بنظر غائر دیکھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مولوی صاحب سے مراد کون سی شخصیت ہو سکتی ہے ۔ ستمبر ۱۹۳۳ میں لکھے جانے والے علامہ اقبال کے خطوط (شائع شدہ) کی تعداد نو ، اور اکتوبر ۱۹۳۳ کے خطوط کی تعداد گیارہ بنتی ہے ۔ ان خطوط میں سے ایک خط سے مکتوب الیہ کی طرف اشارہ ملتا ہے ۔ (میری مراد مرزا یعقوب بیگ کے نام خط سے ہے جو ۱۲ ستمبر ۱۹۳۳ کو لکھا گیا اور اب انوار اقبال ص ، ۲۱۲ پر شائع ہو چکا ہے) ۔ اس خط میں جو ایک دستی خط کے جواب میں تھا علامہ نے لکھا تھا کہ ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس ۱۶ ستمبر تک ممکن نہیں کیونکہ بہت سے ممبران لاہور سے باہر گئے ہیں ۔ دونوں سیکریٹری بھی باہر گئے ہیں ۔ ۔ ۔''۔

دونوں سیکریٹریوں سے مراد سید شمس الحسن ، سیکریٹری مسلم لیگ ، اور مولوی سر محمد یعقوب ، سیکریٹری مسلم لیگ ، ہیں ۔ مولوی سر محمد یعقوب کے نام علامہ کا ایک اور خط بشیر احمد ڈار کی نو مرتبہ کتاب Letters of Iqbal ص ۱۸۵ پر شائع ہوا ہے ۔ جس میں القاب ''ڈیر مولوی صاحب'' ہے ۔ مولوی سر محمد یعقوب مراد آباد کے رہنے والے تھے ۔ ۱۹۲۷ میں وہ مسلم لیگ کے صدر تھے ۔ لیکن بعد ۱۹۳۲ - ۱۹۳۳ میں وہ مسلم لیگ کے آنریری سیکریٹری بنا دیے گئے ۔ مولوی سر محمد یعقوب کے نام علامہ کے پانچ مزید خطوط جو اردو میں لکھے گئے تھے ''صحیفہ'' اقبال نمبر دوم ۱۹۷۷ - ۱۹۷۸ میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۔ ان پانچوں خطوط کا القاب بھی ''جناب من'' ہے جس طرح علامہ کے یکم ستمبر ۱۹۳۳ والے زیر بحث خط میں ہے ۔ انھی خطوط کے ساتھ سید شمس الحسن ، اسسٹنٹ سیکریٹری

مسلم لیگ ، کے نام بھی چار خطوط شامل ہیں ۔

ان معروضات کی روشنی میں زیادہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ تینوں خطوط مسلم لیگ کے آنریری سیکریٹری مولوی سر محمد یعقوب کے نام لکھے گئے تھے ۔

''اقبالنامہ'' کے نقائص کا تذکرہ ذرا زیادہ طویل ہوگیا ۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ یہ مجموعہ خوبیوں سے مبرا ہے ۔ شیخ عطاء اللہ کا اردو ادب خصوصاً اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب پر بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ذاتی جدوجہد اور سعی سے مکاتیب کا سب سے بڑا ذخیرہ [۲۶۶ + ۱۸۷ = ۴۵۳ خطوط] صحیح وقت پر فراہم کیا ، اور اسے شائع بھی کیا ۔ اگر وہ اس باب میں مستعدی نہ دکھاتے تو یقینِ واثق ہے کہ مکاتیب کا خاصا بڑا ذخیرہ ضائع ہو جاتا ۔

''مکاتیب اقبال'' جلد اول میں علامہ کے سات خطوط کا عکس بھی دیا گیا ہے ۔ اس مجموعے سے ہمیں علامہ کی بعض نظموں کے ابتدائی متن بھی ملتے ہیں ۔ مثلاً

اشعار بسلسلہ مسعود (ص ۲۹۳) -- نظم (ردیف انگشتری) : ص ۱۶

غزل : نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا ۔ ص ۸۲ -- فارسی اشعار ص ۲۱۲

نظم ص ۲۵۶ -- نظم حالی اور اقبال ص ۳۹۹ -- قطعہ بسلسلہ حالی ص ۳۷۰ وغیرہ ۔

خط نمبر ۲۲۹ بنام سر راس مسعود کا جواب بھی شامل کر لیا گیا ہے ۔ ص ۲۹۸ کا خط علامہ کا ہے لیکن محمد شفیع صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے کیونکہ ان دنوں علامہ علیل تھے ۔

''اقبالنامہ'' جلد اول میں سب سے زیادہ خطوط سید سلیمان ندوی (۷۰) کے نام ہیں ۔ پھر عباس علی خان لمعہ حیدر آبادی[۷] (۲۹) کے نام :

۷۔ عباس علی خان لمعہ حیدر آبادی کے خطوط کے ضمن میں بعض اقبالیاتی محققین نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے ۔ ان خطوط کی اصلیت کی دریافت اپنی جگہ ایک دلچسپ لیکن طویل مطالعہ ہے ۔ اس لیے اسے کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھنا مناسب ہوگا ۔

سر راس مسعود (۴۲) عبدالماجد دریا آبادی (۱۱) اور ممنون حسن خان (۱۰) کا نمبر آتا ہے۔ جب کہ سید میراں شاہ کے نام ۹ ، خواجہ غلام السیدین اور پروفیسر صلاح الدین کے نام ۸ خطوط ملتے ہیں۔

''مکاتیب اقبال'' جلد اول کے ۲۶۶ خطوط میں درجِ ذیل پانچ خطوط ''اقبالنامہ'' جلد اول سے خارج سمجھے جائیں کیونکہ یہ صحیح تر متن اور پس منظر کے ساتھ مجموعوں میں شامل کر لیے گئے ہیں:

خط ۶ اور ۷ ص ۱۲ ، ۱۳ ، بنام غلام قادر گرامی مشمولہ ''مکاتیب بنام گرامی'' ص ۹۱ ، ۱۴۷ -
خط نمبر ۲۳ ص ۵۸ بنام ظہور الدین مہجور مشمولہ ''انوارِ اقبال'' ص ۷۰ (زیر عنوان محمد دین فوق) -
خط نمبر ۱۳۸ ص ۲۵۱ بنام علامہ مصطفیٰ المراغی مشمولہ ''خطوط اقبال'' مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ص ۲۵۰ -
خط نمبر ۲۳۶ ص ۳۰۱ بنام مسعود عالم ندوی مشمولہ ''خطوطِ اقبال'' ص ۲۵۰ -

آخر میں ''اقبالنامہ'' جلد اول طبع اول کے خطوط کے سلسلے میں ایک دلچسپ انکشاف۔ ''اقبال اور بھوپال'' مرتبہ صہبا لکھنوی میں ممنون کے کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اقبالنامہ'' طبع اول میں بعض خطوط ایسے تھے جو پرائیویٹ نوعیت کے تھے۔ لہٰذا انھیں بعد کے ایڈیشنوں سے نکال دیا گیا۔ مذکورہ کتاب کے ناشر نے سید عبدالواحد معینی کے استفسارات پر بتایا کہ چودھری محمد حسین صاحب سے کے اصرار پر ''اقبالنامہ'' طبع اول و دوم سے بعض خطوط نکال دیے گئے تھے۔[۸]

راقم الحروف نے ''اقبالنامہ'' جلد اول و دوم سے پہلے ایڈیشن کا موازنہ بعد کے ایڈیشنوں سے کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اشاعت کے بعد کسی خط کو نکالا نہیں گیا۔ ''اقبالنامہ'' موجودہ صورت ہی میں سب سے پہلے شائع ہوا تھا۔ چنانچہ اب یہ مسئلہ اختلافی صورت اختیار کر جاتا ہے کہ کیا ''اقبالنامہ'' سے بعض خطوط زیادہ پرائیویٹ ہونے کی بنا پر واقعی

۸- ''اقبال ریویو'' جنوری ۱۹۷۴ -

نکال لیے گئے تھے ۔

ہماری رائے میں ''اقبالنامہ'' جلد دوم سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا ۔ البتہ ''اقبالنامہ'' جلد اول کے ضمن میں ایسا لگتا ہے کہ بعض خطوط کتابت شدہ مسودے سے اشاعت سے قبل ہی نکال لیے گئے ہوں ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوگا تو پھر اس مجموعے میں ان کی جگہ خالی ہونی چاہیے ، لیکن ایسا نہیں ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن خطوط کے شامل ہونے پر علامہ اقبال کے بچوں کے گارڈین چودھری محمد حسین کو اعتراض تھا وہ خطوط نکال لیے گئے ۔ ان کی جگہ اقبال سے متعلق دوسرا مواد شامل کر دیا گیا تاکہ صفحات خالی نہ رہیں ۔ ان معروضات کی روشنی میں اگر ''اقبالنامہ'' جلد اول کو تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو ص ۳۳۹ اور ص ۳۵۱ کے درمیان ہمیں تدوین کی خامیاں نظر آتی ہیں ۔ مثلاً ص ۳۴۰ پر اسد ملتانی کی یاداشتیں درج ہیں ۔ جو سات آٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ۔ اس مضمون پر خط نمبر ۲۰۵ درج ہے ۔ جو ظاہر ہے خط نہیں ہے ۔

علامہ کی وفات کے بعد چودھری محمد حسین صاحب کا علامہ اور ان کی اولاد اور پھر علامہ کی تصنیفات کے ضمن میں یہ روش رہی کہ وہ ہر ایسی کوشش کی مخالفت کرتے رہے جس سے علامہ کے مقام پر حرف آتا ہو ۔ انھوں نے علامہ کے نہایت پرائیویٹ نوعیت کے خطوط اپنے قبضے میں کر رکھے تھے ۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق وہ علامہ کے ہر اُس دوست سے ملے جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اس کے پاس علامہ کا کوئی ایسا خط ہوگا جو بے تکلفی کے موڈ میں لکھا گیا ہوگا اس خیال سے کہ کسی مرحلے پر اس کی اشاعت سے علامہ کی شہرت کو نقصان نہ پہنچے ۔ ارباب محمد زکریا (پشاور) علامہ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے ۔ علامہ انھیں خط لکھتے رہتے تھے ۔ ارباب صاحب کے پاس ان خطوط کی باقاعدہ فائل بنی ہوئی تھی ۔ علامہ کی وفات سے بعد علامہ کے پرانے خدمت گار علی بخش پشاور آئے اور وہ تمام خطوط اپنے ساتھ لاہور لے گئے ۔ ظاہر ہے کہ علی بخش کو بھیجنے والی پس پردہ شخصیت چودھری محمد حسین صاحب کے سوا اور کون ہو سکتی تھی ، جب کہ جاوید اقبال اس وقت بہت چھوٹے تھے ۔ ارباب زکریا

صاحب کے نام کا کوئی خط ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا ۔ گمان غالب ہے کہ یہ خطوط تلف کر دیے گئے ہوں گے ۔ ڈاکٹر وحید قریشی اور عبدالمجید[۹] کے مطابق چودھری محمد حسین نے علامہ سے متعلق نہایت قیمتی مواد حفاظت کی غرض سے سیکریٹریٹ (موصوف پریس برانچ میں ملازم تھے) کی ایک الماری میں رکھا ہوا تھا ۔ جب اس الماری کو کافی عرصے کے بعد کھولا گیا تو تمام کاغذات کو دیمک چاٹ چکی تھی ۔

اقبالنامہ ، اول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن ، اشاعت کے بعد واپس لے لیا گیا[۱۰] یا اس میں بعض صفحات نکال دیے گئے یہ بات قابل غور ہے ۔ موجودہ نسخے کی ہر کاپی آٹھ اوراق پر مشتمل ہے ، لیکن ص ۳۳۷ تا ۳۵۲ پر مشتمل کاپی کے اوراق بارہ ہیں ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ اوراق پر مشتمل یہی وہ تختہ تھا جسے دوسرے مواد سے بدل دیا گیا تھا ۔ زیر بحث صفحات کی تعداد ۱۶ ہے جس میں چار صفحات پر غیر متعلق مواد دیا گیا ہے ۔ ہمارے خیال میں انھی میں چار صفحات پر وہ خطوط شائع ہوئے تھے جنھیں چودھری محمد حسین کے ایما پر نکال دیا گیا تھا ۔ لہذا ان خطوط کی تعداد تین یا چار سے زیادہ نہیں ہو سکتی ۔ یہ خطوط ممنون حسن کے نام بھی ہو سکتے ہیں اور سر راس مسعود کے نام بھی ۔ اگر ممنون حسن کے نام کے خطوط ہوئے تو ان کی تاریخ محررہ ممنون کے نام آخری خط ۱۹ اپریل ۱۹۳۸ سے بعد ہوگی ، اور اگر سرراس مسعود کے نام کے کچھ خطوط نکالے گئے تھے تو ان کی تاریخ محررہ ۲۰ مارچ ۱۹۳۵ کے درمیان اتنی مدت ہے کہ ہم یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس دوران میں چار یا اس سے زیادہ خطوط لکھے گئے ہوں گے ۔ ۲ جون ۱۹۳۳ میں یہ لکھنا کہ اپنے صحیح پتہ سے نوازیں کیونکہ ایک اہم معاملے کے متعلق مشورہ مطلوب ہے ، سے

۹۔ ملاحظہ ہو ''قومی ڈائجسٹ'' ، نومبر ۱۹۷۸ ، مضمون میاں عبدالمجید ۔

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کا خیال ہے کہ چودھری محمد حسین نے اقبالنامہ کی ساری جلدیں تلف کرا دیں (سیارہ ، اقبال نمبر ، ص ۲۳۷) ۔

بھی پتا چلتا ہے کہ معاملے کی نوعیت کچھ اس طرح کی تھی کہ علامہ پسند نہیں کرتے ہوں گے کہ ان کا خط غلط ہاتھوں میں چلا جائے۔ یہ احتیاط مسئلے کی نزاکت کو ظاہر کرتی ہے۔ ۲ جون ۱۹۳۴ اور ۲۰ مارچ ۱۹۳۵ کے درمیان علامہ کی بیماری نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ ان کے ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق انھیں یورپ جا کر علاج کرانا تھا ، لیکن ایسا لگتا ہے کہ علامہ ان دنوں مالی لحاظ سے پریشان تھے۔ علامہ بغرضِ علاج یورپ جانے کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ لہذا قرینِ قیاس ہے کہ یہ خطوط علامہ نے مالی امداد یا وظیفے کے لیے لکھے ہوں گے۔

خطوط بنام عطیہ فیضی — اس مجموعے میں علامہ کے دس خطوط شامل ہیں۔ یہ کتاب عطیہ بیگم نے وکٹری پرنٹنگ پریس بمبئی سے انگریزی میں شائع کی تھی۔ ستمبر ۱۹۵۶ میں اس کا اردو ترجمہ اقبال اکیڈیمی نے چھاپا۔[۱۱] مترجم ضیا الدین برنی صاحب تھے۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ابتدا میں برنی صاحب نے علامہ سے روابط کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ترجمے کی زبان اقبال کی اردو زبان کے مزاج سے ہم آہنگ ہے اور یہی گمان گزرتا ہے کہ اقبال نے یہ خطوط اردو ہی میں لکھے ہوں گے۔ تاہم ایک کمی کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ عطیہ فیضی کے نام علامہ کے ایک خط محررہ ۲۹ مئی ۱۹۳۲ کی عکسی نقل کتاب میں دی ہوئی ہے ، لیکن اس کا ترجمہ درج نہیں ہے۔ عطیہ فیضی کی اصل کتاب میں غالباً یہ خط شامل نہیں تھا۔ اسے ضیاء الدین برنی نے شامل کیا۔ ان خطوط کا دوسرا ترجمہ عبدالعزیز خالد کا ہے جو آئینۂ ادب کے اہتمام سے ۱۹۷۵ میں لاہور سے چھپا۔ اس مجموعے کا تیسرا ترجمہ منظر عباس نقوی صاحب نے کیا ہے جو ہندوستان میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اہتمام سے ۱۹۷۴ میں چھاپا گیا۔

۱۱۔ یہ خطوط جولائی ۱۹۵۰ء سے "نگار" (لکھنو) میں سب سے پہلے اُردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوئے تھے۔

عبدالعزیز خالد کا ترجمہ لفظی ہے اور اس کی زبان اقبال کی اُردو نثر کے مزاج سے یک سر مختلف ہے۔ خطوط کی تعداد کے تعین میں اختلاف ہے۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب نے نو خطوط شمار کیے ہیں۔[۱۲] ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ کو لکھے ہوئے خط کی پشت پر اسی تاریخ کو انھوں نے دوسرا خط تحریر کیا تھا۔ یہ خط ایک ہی لفافے میں بھیجا گیا ہوگا، لیکن چونکہ پشت پر لکھے ہوئے خط پر تاریخ، مقامِ تحریر اور علامہ کے دستخط موجود ہیں اس لیے اسے الگ خط سمجھنا چاہیے۔ یوں خطوط کی تعداد دس ہو جاتی ہے۔ عطیہ فیضی کے نام علامہ کا ایک خط محررہ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ جو عکسی تحریر میں ضیا الدین برنی کے ترجمے میں دیا ہو ہے بعد میں بشیر احمد ڈار نے Letters of Iqbal میں ص ۱۰ اور پر Letters and Writings of Iqbal میں ص ۹۰ پر شائع کیا۔ یوں عطیہ فیضی کے نام علامہ کے معلوم خطوط کی تعداد گیارہ ہو جاتی ہے۔

عطیہ فیضی کو یہ خطوط شائع کرنے کی تحریک حیدر آباد دکن میں مجلسِ اقبال کے ایک اجلاس میں نواب حسن یار جنگ نے دی تھی۔ اصل مسودے سے خطوط کو پڑھنے میں مس ہلا وکیل اور ضیاء الدین برنی نے عطیہ فیضی کا ہاتھ بٹایا تھا۔ خطوط کے اصل مسودات کو پڑھنے میں ضیاء الدین برنی اور عبدالعزیز خالد دونوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں، مثلاً ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ کے خط میں علامہ نے اپنی نظم ''نوائے غم'' کا حوالہ دیا ہے جس کے پہلے شعر کا دوسرا مصرع اصل خط میں اس طرح ہے:

جس کی ہر رنگ کے نغموں سے ہے لبریز آغوش

برنی نے ''جس کی'' کے بجائے ''جس کے'' لکھا ہے۔ عبدالعزیز خالد کے مجموعے میں اسی خط کی ذیل میں نظم ''دعا'' کے دوسرے شعر میں لفظ ''ذرے'' لکھا ہے، حالانکہ اصل خط سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ ''ذرہ'' ہے۔ اسی طرح ''برائے جریدہ'' کی ذیل کے فارسی اشعار علامہ نے ۱۰ ستمبر ۱۹۳۱ کو لکھے تھے، لیکن عبدالعزیز خالد کے مجموعے میں سالِ تحریر ۱۹۳۰ لکھا ہے۔

۱۲۔ ملاحظہ ہو ''خطوطِ اقبال'' مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔

اقبال کے اصل خطوط میں بعض الفاظ کا تلفظ محلِ نظر ہے ۔ نقل کرنے والوں کو چاہیے تھا کہ وہ بعینہ وہی تلفظ اختیار کرتے جو علامہ نے لکھا تھا ، لیکن مترجمین نے ان الفاظ کی اصلاح کر دی ہے مثلاً علامہ نے ''انھیں'' کو ''اونھیں'' ، ''بھر'' کو ''بہر'' اور ''رہے'' کو ''رہی'' لکھا ہے ۔ اقبال کے تلفظ اور کتابت کی غلطیاں اپنی جگہ ایک دلچسپ مطالعہ تھا ۔ لیکن ضیاء الدین برنی اور عبدالعزیز خالد دونوں نے اسے ناممکن بنانے کی کوشش کی ۔ ہمیں اقبال کے سلسلے میں ہر دو مترجمین کے خلوص اور دیانت پر کوئی شک نہیں ہے لیکن ان کی یہ جسارت قابلِ تقلید نہیں قرار دی جا سکتی ۔

اگرچہ یہ مجموعہ اصلاً خطوط کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں ایک خاتون کی یادداشتیں بھی درج ہیں ، لیکن بعض وجوہ سے اس کی اہمیت مسلم ہے ۔ ان خطوط سے علامہ کی جذباتی اور ازدواجی زندگی کے بعض پہلو پہلی بار منظرِ عام پر آئے ہیں ۔ علامہ اپنے دلی احساسات کو جس کامیابی کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر لائے ہیں وہ دیدنی ہے ۔ علامہ اور عطیہ فیضی کے روابط کو اصل پس منظر میں دیکھنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے ۔

''اقبالنامہ'' جلد دوم ۔ اس مجموعے میں کل ۱۸۷ خطوط ہیں ۔ یہ مجموعہ ۱۹۵۱ میں شیخ محمد اشرف کے اہتمام سے لاہور سے شائع ہوا ۔ اس مجموعے کی اشاعت کی نوید شیخ عطاء اللہ نے ''اقبالنامہ'' جلد اول ہی میں سنا دی تھی ۔ ''اقبالنامہ'' جلد دوم کے بعد بھی مرتب خطوط کی فراہمی کا کام جاری رکھنا چاہتے تھے ۔ معلوم نہیں اس میں کامیابی ہوئی یا نہیں ۔ کوئی تعجب نہیں ، اگر شیخ عطاء اللہ صاحب کے کاغذات سے آج بھی علامہ کے بعض خطوط دست یاب ہو جائیں ۔[۱۳]

''اقبالنامہ'' جلد اول کی طرح اس مجموعے میں بھی کافی خامیاں پائی جاتی ہیں ۔ بعض سنین اور تاریخیں درست نہیں ۔ اصل خطوط سے انھیں پڑھتے وقت بے احتیاطی سے کام لیا گیا ۔ مثلاً خط نمبر ۷۵ بنام سرکشن

۱۳۔ معلوم ہوا ہے کہ مختار مسعود شیخ عطاءاللہ ''اقبال نامہ'' کا نیا ایڈیشن چھاپ رہے ہیں ۔ جس میں چند نئے خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں ۔

پرشاد پر تاریخ لکھنا بھول گئے ، حالانکہ ''شاد اقبال'' میں زیرِ بحث خط پر تاریخ صاف طور پر ۲۵ اپریل ۱۹۱۹ درج ہے۔

- خط نمبر ۸۴ بنام صاحب زادہ آفتاب احمد (ص ۲۱۲) پر بھی تاریخ درج نہیں۔ تاریخ ۴ جون ۱۹۲۵ ہے اور خط سیالکوٹ سے لکھا گیا تھا۔
- خط نمبر ۹۷ بنام شوکت حسین پر بھی غلط سنہ درج ہے۔ یہ خط ۱۹۱۹ میں لکھا گیا تھا۔[۱۴]
- خط نمبر ۱۲۳ بنام سید نذیر نیازی (ص ۳۰۸) پر تاریخ ۲۹ مئی ۱۹۲۲ درج ہے ، حالانکہ یہ خط ۲۹ ستمبر کو لکھا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ''مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی'' ص ۸۳۔
- خط نمبر ۱۴۱ بنام عبداللہ چغتائی (ص ۳۴۳) پر بھی تاریخ غلط درج ہے۔ صحیح تاریخ ۳۰ اپریل ہے۔[۱۵]
- نیاز الدین خان کے نام خطوط کی بعض سنین بھی درست نہیں (ملاحظہ ہو ''خطوطِ اقبال'' ص ۳۷)۔
- خط نمبر ۱۲۲ بنام شاطر مدراسی ص ۳۰۶ کی تاریخ ۲۲ ستمبر نہیں ۲۴ ستمبر ہے۔ (ملاحظہ ہو ''خطوطِ اقبال'' ص ۴۷)۔

بعض مکاتیب کے مکتوب الیہ یا تو سرے سے موجود نہیں یا مشکوک ہیں ، مثلاً :

- خط نمبر ۴۴ کا مکتوب الیہ تصدق حسین تاج نہیں ہے ، بلکہ یہ خط میر حسن الدین کے نام لکھا گیا تھا۔[۱۶] تصدق حسین تاج پبلشر تھے۔
- خط نمبر ۸۶ ص ۲۲۸ کا مکتوب الیہ بھی مشکوک ہے۔ بشیر احمد ڈار نے مکتوب الیہ کا نام سردار ایم بی احمد بتایا ہے۔[۱۷]

۱۴۔ ''خطوط اقبال'' ص ۱۳۳۔
۱۵۔ ملاحظہ ہو عبداللہ چغتائی ''اقبال کی صحبت میں'' ص ۳۰۵۔
۱۶۔ ''انوارِ اقبال'' ص ۲۰۱۔
۱۷۔ Letters of Iqbal

- خط نمبر ۱۰۶ محمد دین فوق کے نام نہیں بلکہ مولوی انشاء اللہ خان ایڈیٹر وطن ، کے نام تھا (ملاحظہ ہو ''خطوط اقبال'' ص ۹۲) ۔
- خط نمبر ۱۰۸ ص ۱۷۲ اور خط نمبر ۹۰ کے مکتوب الیہ گم نام ہیں ۔
- خط نمبر ۱۵۶ مولانا اختر شیرانی کے نام نہیں بلکہ ان کے والد حافظ محمود شیرانی کے نام تھا ، یہ خط اپنے صحیح تر متن کے ساتھ ''انوار اقبال'' میں شامل ہے ۔ دیکھیے ص ۲۸۸ ۔

متعدد خطوط پر سنہ درج نہیں ہیں ۔ ''اقبالنامہ'' کے مولف غالباً سنہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے ۔ ورنہ ان کے لیے سنہ کا تعین زیادہ مشکل کام نہیں تھا ۔ ایسے ہی خطوط کے ضمن میں راقم الحروف کی تحقیق درج ذیل ہے :

- خط نمبر ۵۹ : ص ۱۹۳ بنام اکبر منیر : اس خط میں علامہ نے اپنی بیماری گاؤٹ (نقرس) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''کامل دو ماہ سے چار پائی سے اتر نہیں سکا''۔ گرامی کے نام ایک خط محررہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۲ میں لکھتے ہیں کہ ''۱۵ روز سے مکان سے نیچے نہیں اتر سکا''۔ یوں اس مرض کی ابتدا ۸ مارچ ۱۹۲۲ کو ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ خط ۸ مئی ۱۹۲۲ کا ہونا چاہیے ۔
- خط نمبر ۹۰ ص ۲۳۶ کی تاریخ محررہ نومبر/دسمبر ۱۹۳۵ ہو سکتی ہے کیونکہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۵ کو علامہ نے سر راس مسعود کو بھی اس نوعیت کا خط لکھا تھا ۔ (ملاحظہ ہو ''اقبالنامہ'' جلد اول) جس میں رشید صاحب کے خط کا ذکر تھا ۔ رشید صاحب سر راس مسعود کے خسر تھے ۔
- خط نمبر ۱۰۹ ص ۲۷۲ بنام خالد خلیل : اس خط میں سید سجاد حیدر یلدرم کے ایک مکتوب کا حوالہ ہے اور بریکٹ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھا ہے ۔ سید سجاد حیدر یلدرم ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ کو مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار مقرر ہوئے ۔ وہ مئی ۱۹۲۳ میں قاہرہ گئے جہاں سے پہلے سوئٹزرلینڈ اور پھر اسی سال ستمبر میں قسطنطنیہ گئے ۔ اس موقع پر قسطنطنیہ یونیورسٹی میں ایک لیکچر بھی دیا ۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۳ کو واپس علی گڑھ پہنچے ۔

خط کے نفسِ مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے یہ خط اُس وقت لکھا جب سید سجاد حیدر یلدرم ترکیہ سے واپس آ چکے تھے[۱۸]، سید سجاد حیدر یلدرم نے ترکیہ سے واپس آ کر فوراً اخبار میں ایک خط شائع کرایا ہوگا۔ علامہ کے یہ الفاظ کہ "میں آپ کو یہ خط سید سجاد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے مکتوب کے جواب میں لکھ رہا ہوں جنھوں نے کچھ عرصہ ہوا آپ کا خط یہاں اخبارات میں شائع کرایا۔" "کچھ عرصہ" کی روشنی میں اس خط کی تاریخ کا تعین نومبر/دسمبر ۱۹۲۳ ہی کیا جا سکتا ہے۔

- خط نمبر ۱۴۲/۱۵۲ بنام عبداللہ چغتائی ص ۳۴۳: زیادہ قرینِ قیاس ۱۹۲۷ کا سال ہے، کیونکہ علامہ اس سال مدراس میں دیے جانے والے لیکچرز کی تیاری میں مشغول رہے، اور یہ خطوط اسی ضمن میں لکھے گئے تھے۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کے پاس مواد مکمل ہو گیا ہوگا۔
- خط نمبر ۱۵۲ بنام عبداللہ چغتائی ص ۳۴۷: خط نمبر ۱۵۱ اور ۱۵۲ کے مندرجات کے موازنے سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط اگست ۱۹۳۷ والے خط (نمبر ۱۵۱ ص ۳۴۵) کے کچھ دن بعد لکھا گیا ہوگا۔ لہٰذا اس کی تاریخ محررہ اگست ۱۹۳۷ سمجھنی چاہیے۔
- خط نمبر ۱۶۲ ص ۳۵۹ بنام خواجہ حسن نظامی: "اقبال" از عطیہ بیگم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے علی گڑھ یونیورسٹی میں فلسفے کی پروفیسری کی پیش کش کو جنوری تا مارچ ۱۹۰۹ کے درمیان کسی وقت رد کیا تھا۔ لہٰذا اس خط کا سنہ ۱۹۰۹ ہوگا۔
- خط نمبر ۱۷۳ بنام مولوی محمد صالح ص ۳۶۹: خط نمبر ۱۷۱ اور ۱۷۳ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط جون ۱۹۳۰ میں لکھا گیا ہوگا۔
- خط نمبر ۱۷۸ بنام مولوی محمد صالح ص ۳۸۲: خط نمبر ۱۷۶ اور ۱۷۷ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اگست ۱۹۳۰ میں لکھا گیا ہوگا۔

۱۸- "کارِ جہاں دراز ہے" قرۃ العین حیدر۔

اس مجموعے میں درج ذیل خطوط کی تاریخ محررہ دریافت نہیں ہو سکی :

خط نمبر ۱۰۵ بنام غلام قادر فصیح ص ۲۶۳ ۔
خط نمبر ۱۵۹ بنام خواجہ حسن نظامی ص ۳۵۵ ۔[۱۹]
خط نمبر ۱۶۸ بنام خواجہ حسن نظامی ص ۳۶۶ ۔[۲۰]

اس مجموعے کی بڑی خامی یہ ہے کہ مرتب نے ضخامت بڑھانے کے لیے ایسے خطوط بھی شامل کر لیے ہیں جو پہلے ہی کسی نہ کسی مجموعے میں شائع ہو چکے تھے ۔ صورت حال یہ ہے کہ اس وقت ۱۸۷ خطوط کے اس مجموعے میں ۵۸ خطوط ایسے ہیں جو دوسرے مجموعوں میں موجود ہیں یا زیادہ بہتر متن کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں ۔ ان خطوط کی تفصیل درج ذیل ہے :

ص ۳۳ بنام محمد علی جناح (۱۳ خطوط) مشمولہ ''خطوط بنام جناح''
ص ۱۰۰ تصدق حسین تاج ۔ مشمولہ ''انوار اقبال'' ص ۲۰۱
ص ۱۰۱ عطیہ بیگم فیضی (۱۰ خطوط) مشمولہ ''اقبال از عطیہ بیگم''
ص ۱۷۲ کشن پرشاد (۲۰ خطوط) مشمولہ ''شاد اقبال''
کشن پرشاد (۲ خطوط) ''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۳
ص ۲۵۳ شوکت حسین (۳ خطوط) مشمولہ خطوط اقبال ص ۱۳۱
ص ۲۶۵ محمد دین فوق ''خطوط اقبال'' ص ۹۳
ص ۲۸۳ مس فارقو ہرسن ''خطوط اقبال'' ص ۲۱۵
ص ۲۹۸ سید محمد تقی ''خطوط اقبال'' ص ۶۷
ص ۳۰۰ شاطر مدراسی (۴ خطوط) ''خطوط اقبال'' ص ۶۹
ص ۳۰۸ سید نذیر نیازی (۴ خطوط) ''مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی''
ص ۱۵۲
ص ۳۵۱ اختر شیرانی (محمود شیرانی) ''انوار اقبال'' ص ۲۸۸ ۔

۱۹۔ خط نمبر ۱۵۹ بظاہر ۱۹۰۸ یا اس پہلے کا معلوم ہوتا ہے ۔

۲۰۔ اس خط میں رسالہ ''توحید'' کا ذکر ہے ۔ اس کا خواجہ نمبر ۸ جون ۱۹۱۲ کو شائع ہوا تھا ۔ گویا یہ رسالہ جون ۱۹۱۳ یا اس سے بھی پہلے نکلنا شروع ہوا تھا ۔ سنہ ۱۹۱۲ یا ۱۹۱۳ ہو سکتا ہے ۔

''خطوطِ اقبال'' میں صرف وہی خطوط شامل کیے گئے جن کا متن ''اقبالنامہ'' حصہ دوم میں ناقص تھا ۔ یوں ''اقبالنامہ'' حصہ دوم کے خطوط کی تعداد ۱۸۷ سے گھٹ کر ۱۲۹ رہ جاتی ہے ۔ ''اقبالنامہ'' حصہ دوم میں حصہ اول کی طرح بعض خطوط نامکمل چھوڑ دیے گئے ہیں ۔ بعض جگہوں پر مصلحتاً متن حذف کر دیا گیا ہے ، لیکن بعض جگہوں پر ایسا لگتا ہے مرتب خطوط سے اصل متن اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ۔ اس طرح کی چند ایک مثالیں درجِ ذیل ہیں :

خط نمبر ۲۰ تا ۲۲ ۔ خالی جگہوں میں خواجہ حسن نظامی کا نام مصلحتاً حذف کر دیا گیا ہے ۔

خط نمبر ۲۴ ۔ ۲۵ ۔ اور ۵۶ ۔ یہاں بعض انگریزی کتابوں کے نام جان بوجھ کر چھوڑ دیے گئے ہیں ۔

خط نمبر ۷۷ ، ۷۹ ۔ ۱۱۸ میں بھی اسی قبیل کی خامیاں ہیں ۔ اس کے علاوہ ''اقبالنامہ'' جلد دوم کی دوسری خامیوں میں حاشیے اور مکتوب الیہ کا تعارف درج نہ کرنا ، خطوط کے ماخذات کی عدم نشان دہی قابل ذکر ہیں ۔ ان خامیوں کے با وصف کہیں کہیں مرتب نے بعض حاشیے دیے ہیں اور بعض خطوط کا پس منظر بھی بیان کیا ہے مثلاً ، خط نمبر ۹۵ ، ۱۰۰ وغیرہ ۔ مزید برآں ابتدا میں ایک گراں قدر دیباچہ ہے جس سے اقبال کے فنِ خطوط نگاری کی خصوصیات واضح ہو جاتی ہیں ۔

اس مجموعے میں عبداللہ چغتائی کے نام انیس ، مولوی محمد صالح کے نام سترہ ، اکبر الہ آبادی کے نام سولہ ، خواجہ حسن نظامی کے نام چودہ ، اکبر منیر کے نام نو اور مولوی عبدالحق ، محمد جمیل بنگلوری اور مس فارقوہرسن کے نام سات سات خطوط شامل ہیں ۔ انگریزی خطوط کی تعداد بیس ہے ، لیکن صرف ان کا ترجمہ ہی کتاب میں شامل کیا گیا ہے ۔

شیخ عطاء اللہ کے الفاظ میں '' ان خطوط کے مطالعہ کے بعد اقبال کی ذات سے متعلق جو امتیازات مجھے نظر آئے ہیں ان میں ان کا خلوص ، ان کی علم دوستی ، اسلام سے ان کی شیفتگی ، ہندوستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ان کی دلسوزی اور اصلاحِ حال پر ان کی کوششوں ، ممالکِ

اسلامیہ کے اتحاد و استقلال و استحکام کی تجاویز اور کوشش ، اہل و عیال سے محبت ، دوستوں کے لیے جذبۂ مروت اور عالمِ انسانیت کے لیے فلاح و خیر سگالی کے جذبات نمایاں ہیں ۔''

''**مکاتیبِ اقبال بنام لماز الدین خان**'' ۔ نیاز الدین خان کے نام علامہ کے اناسی خطوط کا مجموعہ سب سے پہلے جولائی ۱۹۵۴ء میں بزم اقبال لاہور نے شائع کیا ۔ اس مجموعے کا پیش لفظ اقبالیات کے ایک محقق ایس اے رحمن نے لکھا ہے ۔ ان خطوط میں سے سوائے ایک خط کے موصوف نے تمام خطوط خود دیکھے اور کتاب کے متن کا موازنہ اصل خطوط سے کرنے کے بعد مہرِ تصدیق ثبت کی ۔ یوں ان خطوط کی صحت اور استناد کی ایک تابندہ مثال قائم ہوئی ہے ۔

یہ خطوط جنوری ۱۹۱۶ اور جون ۱۹۲۸ کے درمیانی عرصے پر محیط ہیں ۔ یہ خطوط ان دو خطوط کے علاوہ ہیں جو ہمیں ''اقبالنامہ'' حصہ دوم (ص ۲۱۷) پر ملتے ہیں ۔ اس کتاب میں مکتوب الیہ کے دو خطوط کے عکس بھی دیے گئے ہیں ۔ کسی خط کا سنہ تحریر مشکوک نہیں ۔ البتہ خط نمبر ۴۴ میں بعض اصحاب کے کوائف مصلحتاً حذف کر دیے گئے ہیں ۔ تاہم سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ خطوط کے متن یا حواشی پر کوئی توجہ نہیں دی گئی ۔

بستی دانش منداں (جالندھر) کے ان علم دوست رئیس کے نام ان خطوط سے علامہ کی زندگی کے بعض نئے گوشے بے نقاب ہوتے ہیں ۔ اس سے علامہ کی تصانیف و تالیفات کے ضمن میں بھی بعض دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ علامہ کی کبوتر بازی کا شوق بھی ظاہر ہوتا ہے ۔ علامہ کے دوست گرامی کی نکتہ سنجیوں کا خزانہ بھی فراہم ہوتا ہے ۔ علامہ کے فنِ شعر گوئی اور بحیثیتِ نقاد بھی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے ۔

مکتوبات اقبال (بنام نذیر نیازی) ۔ مکاتیبِ اقبال کا یہ مجموعہ ممتاز حسن صاحب کی تحریک پر مرتب کیا گیا اور اسے اقبال اکیڈیمی نے ستمبر ۱۹۵۷ میں شائع کیا ۔ اس مجموعے کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ ان سے ایک طرف تو علامہ کی آخری علالت کے متعلق تمام تر تفصیلات ملتی ہیں اور دوم اس سے علامہ کی بعض تصانیف کے متعلق

قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ دیباچے میں خطوط کی تعداد ۱۸۲ بتائی گئی ہے حالانکہ ان کی تعداد ۱۷۹ ہے ۔ ان میں ۱۷۷ خطوط سید نذیر نیازی کے نام ہیں ۔ ایک خط ان کے والد ماجد کے نام اور ایک خط کے مکتوب الیہ مولانا سلامت اللہ شاہ صاحب ہیں ۔ خطوط کا پس منظر نیازی صاحب نے بڑی محنت سے فراہم کیا ہے ۔ اس سے جو بیش و قیمت مواد سامنے آیا ہے اس سے علامہ کی سوانح کی تدوین میں خاصی مدد مل سکتی ہے ۔ ان خطوط کے پس منظر میں مزید مواد مولف کی دوسری کتاب "اقبال کے حضور" میں موجود ہے ۔

مؤلف نے دیباچے میں اعتراف کیا ہے کہ ان خطوط میں بعض اسما اور عبارتیں مصلحتاً حذف کر دی گئیں ۔ یہ تمام خطوط اقبال اکیڈیمی لاہور میں محفوظ ہیں ۔ ان میں سے بعض خطوط کی عکسی نقول اس کتاب میں بھی مل جاتی ہیں ۔ اقبال اکیڈیمی کے ذخیرہ نوادرات کے ایک جائزے میں ان خطوط کی تعداد ۱۸۲ ہی ظاہر کی گئی ہے ۔ ایسا لگتا ہے کہ اس سلسلے کے تین مزید خطوط اقبال اکیڈیمی میں محفوظ ہوں گے جو بوجوہ اس مجموعے میں شامل نہ کیے گئے ۔

اس مجموعے میں علامہ کے خطوط کا متن باریک الفاظ میں دیا گیا ہے اور پس منظر موٹے حروف میں ۔ چنانچہ غور سے دیکھنا پڑتا ہے کہ اصل خط کہاں سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہوا ۔ اس مجموعے کے گیارہ خطوط کی سنین قیاسی ہیں ، کیونکہ خط لکھتے وقت علامہ تاریخ لکھنا بھول گئے ۔ تاہم مرتب کتابِ ہذا نے ان سنین کا سراغ لگا لیا ہے ۔ خطوط پر خط نمبر بھی درج نہیں ہے ۔ ان خطوط میں دو خط انگریزی میں دیے گئے ہیں جن کا اردو ترجمہ نہیں دیا گیا ۔

خط ص ۳۷ کی تاریخ محررہ (۸ نومبر) بھی قیاسی ہے ۔
خط ص ۱۶۲ کا مہینہ جولائی ہے نہ کہ جون ۔
خط ص ۲۱۲ پر مہینہ اکتوبر ۔
خط ص ۲۳۰ پر مہینہ ستمبر ۔

خط ص ۲۵۰ کی تاریخ محررہ ۳۰ جنوری درج ہے ۔ اگلے اور پچھلے خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ درست نہیں ۔ ۲۲ جنوری

اور ۲۵ جنوری کے درمیان کی کوئی تاریخ ہو سکتی ہے ۔ راقم الحروف کے خیال میں زیادہ قرین قیاس تاریخ ۲۵ جنوری ہے ۔

مکتوبات اقبال کا اشاریہ جامع نہیں ہے ۔ لہذا مندرجات کے ضمن میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ۔ مثلاً ص ۳۲۲ پر ڈاکٹر افشار کا ذکر کیا گیا ہے ۔ لیکن اشاریے میں اس نام کے کسی آدمی کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ درج ذیل خطوط کی عبارتیں مصلحتاً حذف کر دی گئیں :

خط نمبر ۱۱۱ ص ۲۲۸ محررہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۴
خط نمبر ۱۱۲ ص ۲۳۰ محررہ ۲۹ نومبر ۱۹۳۴
خط نمبر ۱۳۲ ص ۲۷۱ محررہ ۱۷ مئی ۱۹۳۵
خط نمبر ۱۶۲ ص ۳۰۲ محررہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۵

انوار اقبال ۔ بشیر احمد ڈار کی مرتبہ یہ کتاب اقبال اکیڈیمی نے مارچ ۱۹۶۷ میں شائع کی ۔ اس کا دوسرا ایڈیشن اقبال اکیڈیمی کے زیر اہتمام ۱۹۷۷ میں شائع ہوا اس مجموعے کو مکاتیب اقبال کا مجموعہ کہنا ذرا مشکل ہے ۔ کیونکہ اس میں مکاتیب کے علاوہ تقاریظ اور علامہ کے مضامین اور بیانات بھی درج ہیں ۔ اس کے علاوہ علامہ کے سفر مدراس کی روئداد اور ان کا ابتدائی کلام بھی درج ہے ۔ اس مجموعے میں مکاتیب کی تعداد ۱۸۵ بتائی گئی ہے،[۲۰] لیکن ہمارے خیال میں اس مجموعے میں ۱۹۱ خطوط موجود ہیں ۔ خطوط کی تعداد میں یہ اختلاف زیادہ اہمیت کا باعث اس لیے نہیں ہے کہ ہم نے ہر اُس تحریر کو خط تصور کیا ہے جو بطور خط ہی بھیجی گئی ہے چاہے اس پر تاریخ محررہ یا مقام تحریر بھی درج نہ ہو ۔ مثال کے طور پر میر ولی اللہ ایبٹ آبادی کی کتاب ''لسان الغیب'' پر علامہ کا تبصرہ خط کی صورت میں تھا ، لیکن مصنف نے اس خط کے صرف اُسی حصے کا حوالہ دیا ہے جو مصنف کی کتاب سے متعلق تھا ۔ اس طرح کی تحریروں کا اسلوب اور خطابیہ انداز بیان اس کے خط ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ ان تحریروں کو ہم زیادہ سے زیادہ نامکمل خط کہ سکتے ہیں ۔ ایسی تحریروں کو تقاریظ سے الگ متصور کرنا چاہیے ۔

۲۰۔ رفیع الدین ہاشمی ، مرتب ، ''کتابیات اقبال'' ، ص ۱۹ ۔

اس مجموعے کی سب سے بڑی خوبی اس کا تنوع ہے ۔ مولف نے بڑی محنت سے ریزہ ریزہ جمع کرکے اسے مدون کیا ہے ۔ دراصل اس مجموعے کو خطوط کے مجموعے کی حیثیت سے پیش ہی نہیں کیا گیا ۔ بلکہ اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ علامہ کی تمام غیر مطبوعہ یا بکھری ہوئی تحریروں کو یک جا کر دیا جائے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ مجموعہ سامنے نہ آتا تو ہم علامہ کی فکر و حیات کے کئی گوشوں سے بے خبر رہ جاتے ۔

زیرِ نظر مجموعے میں بعض تحریروں کی عکسی نقول بھی دی گئی ہیں ۔ عکسی خطوط کی تعداد دو ہے ۔ ایک خط شیخ عطا محمد کا ہے جو انھوں نے حضرت علامہ کے متعلق مہر صاحب کو لکھا تھا ۔ سعید نفیسی کے نام علامہ کے دو خطوط ایسے بھی درج ہیں جو فارسی میں لکھے گئے تھے ۔ علامہ کے تمام ذخیرۂ مکاتیب میں یہی دو خطوط فارسی میں ہیں ۔ مرتب کتاب نے ان خطوط کا اردو ترجمہ بھی درج کر دیا ہے ۔ سر اکبر حیدری کے نام خط (ص ۳۲) اصلاً انگریزی کا خط ہے جس کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے ۔ اس خط کے علاوہ بعض دیگر خطوط پر بھی اصلاً انگریزی خط ہونے کا گمان گزرتا ہے لیکن اس کی تصریح نہیں کی گئی ، مثلاً ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کے نام خطوط انگریزی معلوم ہوتے ہیں ۔ اس مجموعے میں جن اصحاب کے نام زیادہ خطوط ملتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

محمد دین فوق	۲۳	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۸
غلام رسول مہر	۲۳	میر خورشید احمد	۷
ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	۲۵	ضیاء الدین برنی	۷
شاکر صدیقی	۱۱		

بعض خطوط کی سنین معلوم کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے اور ڈاک خانے کی مہر سے تاریخِ محررہ کا سراغ لگایا گیا ہے ۔ مثلاً :

شاکر صدیقی کے نام بعض خطوط ص ۱۱۳ ، ۱۱۴
شوق سندیلوی کے نام خطوط ص ۹ ، ۱۰

اس مجموعے کے آٹھ خطوط دیگر مجموعوں میں شامل ہیں ۔ جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے :

- خطوط ص ۱۷ - ۱۸ بنام عبدالرحمان شاطر (تعداد ۲) "خطوطِ اقبال" ص ۲۷ پر زیادہ مستند متن کے ساتھ موجود ہیں ۔
- خط ص ۲۰۳ بنام سردار رب نواز ڈیرہ بھی "خطوط اقبال" ص ۱۹۶ پر صحیح متن کے ساتھ موجود ہے ۔
- خط ص ۲۱۷ بنام ظفر احمد صدیقی اور خط ص ۲۲۳ بنام محمد رمضان ("اقبالنامہ" حصہ اول) ، اور خط ص ۲۲۵ بنام محمد احمد اللہ خان پہلے ہی "اقبالنامہ" حصہ دوم میں شائع ہو چکے تھے ۔ لہذا انھیں اس مجموعے میں شامل کرنے کا کوئی جواز نہ تھا ۔
- خط ص ۲۲۶ بنام تلوک چند محروم بھی اپنے مستند متن کے ساتھ "خطوطِ اقبال" ص ۲۰۱ پر شائع ہو چکا ہے ۔
- خط ص ۱۵۷ تمکین کاظمی کے نام نہیں تھا بلکہ مالٹ موریسی کے نام تھا ۔ یہ خط پہلے ہی "اقبالنامہ" جلد اول ص ط پر شائع ہو چکا تھا ۔

یوں ۱۹۱ خطوط کے اس مجموعے میں صرف ۱۸۳ خطوط نئے ہیں ۔

مندرجہ بالا کوتاہیوں کے علاوہ اس مجموعے کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کی تدوین ٹھیک طریقے سے نہیں ہو سکی ۔ خطوط ، مضامین اور بیانات میں ہمواری نہیں ہے ۔ بیشتر خطوط کی سنہ کا تعین مرتب کے لیے مشکل نہیں تھا لیکن اس طرف خصوصی توجہ نہیں دی گئی ۔ اس مجموعے میں حواشی کا مناسب بندوبست بھی نہیں کیا گیا ۔ اشاریہ بھی نامکمل ہے ۔ اگرچہ کتاب کے دیباچے میں مصنف نے ترتیب و تدوین کی خامیوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا ہے لیکن ان فروگذاشتوں کو کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں دہرانے کا کوئی جواز نہیں تھا ۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ دوسرے ایڈیشن میں ان خامیوں کی اصلاح کر دی جاتی لیکن ایسا نہیں ہو سکا ۔

"اقبالنامہ" کی طرح اس مجموعے کے بعض خطوط کی تاریخِ محررہ بھی غلط درج کی گئی ہے ۔

- خط ص ۱۵ بنام عبدالسلام سلیم کی تاریخِ محررہ ۵ نومبر ۱۹۳۰ تھی لیکن مرتب نے مسودہ پڑھتے ہوئے بے احتیاطی سے کام لیا ہے

(ملاحظہ ہو اخباری تراشوں کی فائل محفوظ اقبال اکیڈیمی ، لاہور) ۔
یہاں اس امر کی طرف اشارہ کرنا بے محل نہیں ہوگا کہ اقبال اکیڈیمی
میں محفوظ تراشے کا متن اور ''انوارِ اقبال'' کے اس خط کے متن میں
ایک اختلاف موجود ہے اور وہ یہ کہ ''انوارِ اقبال'' کے مذکورہ
خط کی چوتھی سطر میں ''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے'' لکھا
ہے جب کہ تراشے کا متن ''خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا
فرمائے'' ہے ۔

- خط بنام وصل بلگرامی ص ۱۷۴ پر تاریخ درج نہیں کی جا سکی حالانکہ
یہ خط ۱۹۲۵ میں لکھا گیا (ملاحظہ ہو ''ماہِ نو'' اقبال نمبر ۱۹۷۷
ص ۳۴۹) ۔
- خط ص ۲۰۴ بنام سردار رب اواز خان پر مہینہ جون لکھا ہے
حالانکہ یہ خط جولائی میں لکھا گیا (ملاحظہ ہو ''خطوطِ اقبال''
ص ۱۹۶) ۔ بعض دیگر خامیاں بھی موجود ہیں ، مثلاً :
- ص ۱۷ پر شاطر مدراسی کی جگہ شاکر لکھا ہے ۔
- ص ۱۷ ، ۱۸ پر تقاریظ کی صورت میں جو تحریریں ملتی ہیں یہ
دراصل خطوط تھے ۔ (ملاحظہ ہو ''خطوط اقبال'' خط نمبر ۲ ، ۵) ۔
- خط ص ۱۸۲ بنام خواجہ حسن نظامی میں اس کی تصریح نہیں کی
گئی کہ یہ خط پہلی بار کہاں چھپا تھا ۔ زیرِ نظر خط ''خطیب'' دہلی
مورخہ ۲۲ تا ۳۰ جنوری ۱۹۱۸ کی اشاعت میں شامل تھا ۔
- خط ص ۱۲۸ ، ۱۳۰ بنام ڈاکٹر مظفر الدین میں علامہ عادتاً ۱۹۳۷
لکھ گئے ہیں حالانکہ یہ دونوں خطوط ۱۹۲۸ میں لکھے گئے تھے ۔
- ص ۳۱۶ کے آغاز کی تحریر پر خط کا گمان ہوتا ہے لیکن اسے خط
کہنا مشکل ہے ۔

''انوارِ اقبال'' کے متعدد خطوط تاریخ یا سن کے بغیر ہیں ۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ مرتب کتاب نے بعض خطوط کے سلسلے میں صحیح تاریخ
کی دریافت میں کوشش ضرور کی ہے لیکن پھر بھی بے شمار خطوط کی تاریخ
کی نشان دہی نہیں ہو سکی ۔ یوں علامہ کے ذہنی ارتقا کی کڑیوں کے ضمن
میں ان خطوط کی افادیت مشتبہ ہو گئی ہے ۔ راقم الحروف نے ایسے کئی

خطوط کی تاریخ محررہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے تاہم اب بھی پانچ خطوط ایسے ہیں جن کی تاریخ معلوم نہیں کی جا سکی :

- خط ص ۳۱ بنام سجاد مرزا : علامہ کا یہ خط دسمبر ۱۹۱۷ کے رسالہ "المعلم" میں شائع ہوا ۔ لہذا یہ خط اکتوبر یا نومبر ۱۹۱۷ میں لکھا گیا ہوگا ، لیکن اس خط کے ضمن میں ایک چیز محل نظر ہے اور وہ یہ کہ خط میں لکھا ہے کہ "میں اس قاعدہ کا تجربہ اپنے بچے پر کروں گا"۔ بچے کا اشارہ جاوید اقبال کی طرف ہی ہو سکتا ہے ، جن کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۴ ہے ۔ لہذا ہمارے خیال میں یہ خط اکتوبر یا نومبر ۱۹۲۷ میں لکھا گیا ہوگا ۔
- خط ص ۳۲ بنام سر اکبر حیدری : "کلیات اقبال" مرتبہ عبدالرزاق ۱۹۲۳ میں تیار ہو گئی تھی ۔ "بانگ درا" کی دو ہزار جلدیں علامہ نے اپنے خرچ پر طبع کرائی تھیں ۔ یہ کتاب ۲۲ ، ۲۳ جنوری ۱۹۲۴ کو کاتب کے حوالے کی گئی تھی (ملاحظہ ہو خط بنام نیاز الدین ، ص ۹۴) ۱۳ جولائی ۱۹۲۴ کو بانگ درا شائع ہو چکی تھی ۔ اس کے ساتھ شیخ عبدالقادر کا دیباچہ بھی لکھا جا رہا تھا اور امید کی گئی تھی کہ پوری کتاب بمع دیباچہ دو ہفتے تک تیار ہو جائے گی ۔ لہذا ان معلومات کی بنا پر ہم کہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب اگست ۱۹۲۴ میں تیار ہو گئی ہوگی ۔ "کتابیات اقبال" (ص ۵) اور "انوار اقبال" (ص ۳۱) میں "بانگ درا" کی تاریخ اشاعت ستمبر ۱۹۲۴ لکھی ہے ۔

جب "بانگ درا" شائع ہوئی تو اس کی فروخت شمس العلما مولوی ممتاز علی کی فرم کے سپرد کی گئی[21] اور مولوی صاحب کی فرم نے اپنا کمیشن وضع کرکے کتابوں کی قیمت علامہ کو یک مشت ادا کر دی ۔ یہ وہی معاہدہ ہے جس کا ذکر علامہ کے زیر بحث خط میں ملتا ہے ۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے یہ خط اُس وقت لکھا

۲۱- سعید عبدالواحد معینی ، "نقش اقبال" ص ۶۷ (بحوالہ حامد علی خاں) ۔

جب علامہ کا معاہدہ نہیں ہوا تھا ۔ یوں خط کی تاریخِ محررہ ستمبر ۱۹۲۴ سے قبل ہی متعین کی جا سکتی ہے ۔

علامہ نے اردو مجموعہ "بانگ درا" کی ترتیب کا کام "پیام مشرق" سے فراغت پانے کے بعد کیا ہوگا "پیام مشرق" مئی ۱۹۲۳ کے پہلے ہفتے میں شائع ہو چکی تھی ۔ ملاحظہ ہو خط بنام نیاز الدین خان ص ۴۵ "پیام مشرق" کا دوسرا ایڈیشن اگست ۱۹۲۳ میں تیار ہو رہا تھا (ملاحظہ ہو خط بنام نیاز الدین خان ، ص ۴۸) ۔ دوسرے ایڈیشن میں بہت سا اضافہ کرنا مقصود تھا ۔ علامہ نے سید محمد سعید الدین جعفری کے نام خط محررہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ میں ذکر کیا ہے کہ "مجموعہ شائع کرنے کی فکر میں ہوں ۔ انشاء اللہ ۲۴ میں ضرور شائع ہو جائے گا ۔" خان نیاز الدین خان کے نام خط محررہ ۲۰ جنوری ۱۹۲۴ میں لکھا ہے کہ مجموعہ اردو مرتب ہو چکا ہے ۔ لہذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "بانگ درا" کی ترتیب کا کام نومبر ۱۹۲۳ اور جنوری ۱۹۲۴ کے درمیانی عرصے میں ہوا ۔ "بانگ درا" کی ترتیب کے بعد ہی کسی پبلشر سے معاہدہ کا سوال پیش آ سکتا تھا ۔ لہذا ہمارے خیال میں سر اکبر حیدری کے نام یہ خط جنوری تا اگست ۱۹۲۴ کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا ۔

خط ص ۵۲ بنام محمد دین فوق : اس خط میں علامہ کے ہندوستان سے کیمبرج آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر ایک رسالے کا ذکر بھی ہے ۔ یہ رسالہ "کشمیری میگزین" ہے جو ۱۹۰۶ میں شائع ہونا شروع ہوا ۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالقادر کا ذکر بھی ہے جو ان دنوں انگلستان میں مقیم تھے اور علامہ کی نظمیں اور غزلیں ان سے حاصل کرکے "مخزن" کو بھیجتے رہتے تھے ۔ اس دوران میں علامہ نے جو اشعار اور نظمیں لکھی تھیں وہ "مخزن" کے ان شماروں میں چھپیں ۔ جنوری ، فروری ، اپریل ، دسمبر ۱۹۰۶ فروری ، مارچ ۱۹۰۷ ۔ مارچ ۱۹۰۷ اور اگست ۱۹۰۸ کے درمیان علامہ کی کوئی نظم "مخزن" یا کسی اور رسالے میں نہیں چھپی ۔ اقبال جون ۱۹۰۷ تک کیمبرج میں رہے اور اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے پر تحقیق کا

کام جاری رکھا ۔ ان آخری دلوں میں موسم گرما کی تعطیلات سے پہلے علامہ نے اپنا مقالہ مکمل کیا ۔ اپریل ۱۹۰۷ اور جون ۱۹۰۷ کا درمیانی عرصہ بڑی مصروفیت میں گزارا ۔ جون ۱۹۰۷ میں ہی سر عبدالقادر علامہ سے آخری مرتبہ ملنے کیمبرج آئے تھے ۔ اس کے بعد وہ واپس ہندوستان آ گئے تھے ۔ ان معروضات کی روشنی میں قیاس غالب ہے کہ یہ خط مارچ ۱۹۰۷ اور جون ۱۹۰۷ کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا تھا کیونکہ یہی وہ عرصہ ہے جب علامہ شاعری کی طرف توجہ نہیں دے سکے ۔ اگر اس دوران میں وہ کوئی چیز لکھتے تو ضرور ''مخزن'' یا ''کشمیری میگزین'' میں چھپتی ۔

- خط ص ۸۹ بنام غلام رسول مہر : مدراس کے لیکچروں کی تیاری کے لیے علامہ مختلف دوستوں سے اپنی ضرورت کی کتب منگواتے رہتے تھے ۔ اس ضمن میں عبداللہ چغتائی سے بھی مراسلت ہوتی رہی ۔ یہ مراسلت ۳۰ اپریل ۱۹۲۷ سے شروع ہوتی ہے ۔
- خط ص ۳۳۳ ''اقبالنامہ'' جلد دوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ دسمبر ۱۹۲۷ تک یہ لیکچر مکمل کرنا چاہتے تھے ۔ لہذا زیر نظر خط ۱۹۲۷ میں لکھا ہوگا ۔
- خط ص ۹۷ بنام غلام رسول مہر : کشمیر کے متعلق مشاورت ۱۹۳۱ میں شملہ میں ہوئی تھی ۔ لہذا یہ خط ۲۳ جولائی ۱۹۳۱ کا ہی ہو سکتا ہے ۔
- خط ص ۱۰۳ بنام غلام رسول مہر : علامہ جنوری ۱۹۳۳ کے وسط میں میڈرڈ پہنچے تھے ۔ یہ خط لاہور میں ۴ فروری ۱۹۳۳ کو پہنچا تھا ۔ علامہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ کو میڈرڈ ، قرطبہ و غرناطہ سے واپس پیرس آ گئے تھے (ملاحظہ ہو خط بنام منشی طاہر الدین : ''خطوط اقبال'' ص ۲۱۱) قرطبہ و غرناطہ میں علامہ کا قیام دس بارہ دن کا تھا ۔ لہذا یہ خط ۱۵ جنوری کے آس پاس کسی تاریخ میں لکھا گیا ہوگا ۔
- خط ص ۱۰۶ بنام غلام رسول مہر : اس خط میں اقبال شیدائی کا تذکرہ ہے ۔ جن سے علامہ کی ملاقات جنوری ۱۹۳۳ میں ہو چکی تھی ۔

اقبال شیدائی کے پاس ''انقلاب'' جاتا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ مہر صاحب اپنے پرچے میں سود کے متعلق کچھ لکھیں۔ علامہ فروری ۱۹۳۳ میں یورپ کے دورے سے واپس آئے تھے۔ لہذا زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ خط مارچ ۱۹۳۳ اور جون ۱۹۳۳ کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا ہوگا۔

- خط ص ۱۱۴ بنام شاکر صدیقی: شاکر صدیقی نے خط ۲۳ اکتوبر کو لکھا تھا یہ اسی کا جواب ہے۔ لہذا یہ خط اکتوبر کے آخر یا نومبر میں لکھا گیا ہوگا۔
- خط ص ۱۲۷ بنام ڈاکٹر مظفر الدین قریشی: خط ص ۱۳۲ بنام ڈاکٹر مظفر الدین قریشی میں علامہ نے حکیم صاحب کے مرسلہ سرمے کی بابت تحریر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرمہ ۳ فروری ۱۹۳۸ سے پہلے علامہ کو موصول ہو چکا تھا اور علامہ اسے استعمال بھی کر چکے تھے۔ لہذا یہ خط ۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ کو ہی لکھا گیا ہوگا۔
- خط ص ۱۳۵ بنام ڈاکٹر مظفر الدین: قبل اور مابعد کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۲۹ مارچ ۱۹۳۸ کو ہی لکھا گیا ہوگا۔
- خط ص ۱۳۷ بنام ڈاکٹر مظفر الدین: اس خط میں دوا کے متعلق ذکر ہے کہ اسے موصول ہوئے بارہ دن ہو چکے ہیں۔ اس سے سابقہ خط محررہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۸ میں آٹھ نو روز مذکور ہے۔ لہذا یہ خط ۲۹ مارچ سے تین چار دن بعد لکھا گیا ہوگا، یعنی یکم یا دو اپریل ۱۹۳۸۔ اس لحاظ سے یہ خط مظفر الدین کے نام علامہ کا آخری خط ہے۔
- خط ص ۱۶۸ بنام ایڈیٹر ''احسان'' لاہور: اس خط میں جس بیان کا ذکر ہوا ہے اس کا تذکرہ ۱۶ فروری ۱۹۳۸ کے خط میں ہو چکا ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ ''جواب انشاء اللہ اخبار احسان میں شائع ہوگا''۔ ۱۸ فروری ۱۹۳۸ والے خط (ص ۱۶۷) سے ظاہر ہے کہ ابھی تک علامہ یہ جواب نہیں لکھ پائے تھے۔ اس خط میں طالوت صاحب کو مولانا حسین احمد مدنی صاحب سے رابطہ قائم کرنے کا

مشورہ دیا گیا ہے ۔ ظاہر ہے کا طالوت کے خط اور پھر مدنی صاحب کے جواب میں ایک آدھ ہفتہ ضرور لگا ہوگا ۔ لہذا قیاس غالب ہے کہ یہ خط مارچ ۱۹۳۸ کے اوائل میں لکھا گیا ہوگا ۔

- خط ص ۱۷۱ ، ۱۷۲ بنام شیخ مبارک علی ، تاجر کتب : ''پیام مشرق'' پہلی بار مئی ۱۹۲۳ کے پہلے ہفتے میں شائع ہوئی جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن فروری ۱۹۲۴ میں چھپا (ملاحظہ ہو ''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۱۶۶) ۔ اس خط سے اور بعد کے خط ص ۱۷۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط کسی کتاب کے پہلے ایڈیشن کے متعلق ہے ۔ ظاہر ہے ''پیام مشرق'' کے پہلے ایڈیشن کے متعلق ہوگا جو مئی ۱۹۲۳ کے پہلے ہفتے میں شائع ہو چکی تھی ۔ دونوں خطوں کے خطاب ''مکرم بندہ'' سے بھی اس کی تصریح ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں خط ایک ہی زمانے میں لکھے گئے تھے ۔ خط ص ۱۷۱ (دوسرا) بھی شیخ مبارک علی کو لکھا گیا تھا ، لیکن اس کا القاب مختلف ہے کیونکہ یہ خط ۱۹۲۴ کے وسط میں لکھا گیا تھا ۔

- خط ص ۱۷۱ اور دوسرے خط (ص ۱۷۲) کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ص ۱۷۲ والا خط عین اُس وقت لکھا گیا جب مجموعے کی اشاعت کے بعد دیباچہ اور ٹائیٹل کے چھاپنے کا مرحلہ در پیش تھا ۔ لہذا یہ دونوں خط مارچ یا اپریل ۱۹۲۳ میں لکھے گئے ہوں گے ۔

- خط ص ۱۷۴ بنام وصل بلگرامی : وصل بلگرامی کے نام پہلا خط ۱۸ نومبر ۱۹۲۵ کا ہے ۔ اس خط میں سر ورق کے لیے لکھا ہوا شعر شاید وصل بلگرامی کو پسند نہیں آیا ۔ چنانچہ دوسرے خط میں علامہ نے دوسرا شعر لکھ دیا ۔ ''ماہِ نو'' اقبال نمبر ۱۹۷۷ ص ۳۵۰ میں بھی اس خط کا سنِ تحریر ۱۹۲۵ بتایا گیا ہے ۔ ہمارے خیال میں یہ خط نومبر ، دسمبر ۱۹۲۵ میں لکھا گیا ہوگا ۔

- خط ص ۱۷۵ بنام وحید احمد : اس خط پر تاریخ ۴ ستمبر درج ہے لیکن سال کی صراحت نہیں کی گئی ۔ اس سے اگلا خط ۷ ستمبر ۱۹۲۱ کو لکھا گیا تھا ۔ یہ خط اور ''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۷۴۳ کا خط

محررہ ۲۰ اگست ۱۹۳۱ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ بحث خط ۴ ستمبر کو لکھا گیا ہوگا۔ ۴ ستمبر ۱۹۲۱ کو لکھا جانے والا خط اصل میں ۳۰ اگست ۱۹۲۱ والے خط کا جواب ہے جو "اقبالنامہ" جلد اول میں غلطی سے عشرت رحمانی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

○ خط ص ۲۰۱ بنام خواجہ عبدالوحید : غازی رؤف بے کے لیکچر کی صدارت ۴، ۶، ۸ مارچ ۱۹۳۳ کو کرنی تھی۔ لہذا یہ خط فروری ۱۹۳۳ کی کسی تاریخ میں لکھا گیا ہوگا۔

"انوارِ اقبال" کے درجِ ذیل خطوط کے ضمن میں معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کب لکھے گئے :

خط ص ۱۵ بنام عبدالقوی فانی
خط ص ۶۷ بنام محمد دین فوق
خط ص ۶۸ بنام محمد دین فوق
خط ص ۹۵ بنام غلام رسول مہر
خط ص ۳۷ بنام اکبر شاہ نجیب آبادی

Letters and Writings of Iqbal ۔ یہ مجموعہ نومبر ۱۹۶۷ میں اقبال اکیڈیمی کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ یہ مجموعہ بشیر احمد ڈار کا مرتب کردہ ہے۔ ساری تحریریں انگریزی میں ہیں۔ یہ مجموعہ بھی بتمام و کمال خطوط کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں علامہ کی دیگر انگریزی تحریریں بھی موجود ہیں۔

"خطوطِ اقبال" مرتبہ رفیع الدین ہاشمی میں لکھا ہے کہ اس مجموعے میں اقبال کے تینتالیس خطوط ہیں جن میں چھبیس خطوط کا اردو ترجمہ مختلف مجموعوں میں پہلے سے شامل تھا، لیکن ہمارے خیال میں اس مجموعے میں علامہ کے چھیالیس خطوط شامل ہیں۔ شاید مولف نے ہائی کورٹ کے ججوں والی درخواستیں شامل نہیں کیں۔ ہمارے خیال میں یہ درخواستیں خطوط کی تعریف پر پورا اترتی ہیں، لہذا انھیں خط ہی شمار کرنا چاہیے۔ اس مجموعے کے ستائیس خطوط "اقبالنامہ" میں اردو ترجمے کے ساتھ موجود ہیں جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے :

بنام	مشمولہ	تعداد
میجر سعید خان	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۲۴۶	۱
خواجہ غلام السیدین	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۳۵۱	۱
سر راس مسعود	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۱۷۳	۶
بنام رشید والد لیڈی مسعود	''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۲۳۶	۱
نعیم الحق	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۴۲۹	۴
سردار ایم - بی - احمد	''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۲۲۶	۱
پروفیسر ایم شریف	''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۲۳۴	۱
جمیل بنگلور	''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۸۸	۷
شیخ محمد اکرام	''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۳۲۱	۵
	کل خطوط	۲۷

لہٰذا اس مجموعے میں انیس خطوط ہی ایسے ہیں جو پہلی بار منظرِ عام پر آئے ہیں -

اس مجموعے کی بعض خامیاں درج ذیل ہیں :

- تمام خطوط یک جا نہیں ہیں ، نہ ہی ان پر مفصل حواشی کا بندوبست کیا گیا ہے - مآخذات کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی - یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ کس خط کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے -
- خط ص ۲۳ بنام سردار ایم - بی - احمد کا مکتوب الیہ مشکوک ہی سمجھا جائے گا کیونکہ یہی خط ''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۲۲۶ پر ماسٹر طالع محمد کے نام موجود ہے - راقم الحروف کے خیال میں سردار ایم - بی - احمد ہی درست ہے - یہاں اس امر کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ دونوں جگہوں پر تاریخ میں بھی اختلاف ہے - زیر نظر مجموعے میں ۲۷ اگست ہے جب کہ ''اقبالنامہ'' میں اس کی تاریخ ۱۷ اگست لکھی ہے -
- جناح کے نام خط کی تاریخ ۱۸ نومبر ۱۹۳۴ نہیں بلکہ ۸ نومبر ۱۹۳۷ ہے - اس کا اندازہ خط کے متن سے ہو جاتا ہے - خط کے درمیانی

حصے میں ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء کا حوالہ موجود ہے ۔ مذکورہ خط کی پہلی سطر میں بھی ایک غلطی موجود ہے ۔ معلوم نہیں کاتب کا اعجاز ہے یا نقل نویس سے بے احتیاطی ہوئی ہے ۔ وہ یہ کہ ۱۹۳۲ء کے بجائے ۱۹۴۲ء لکھا ہے ۔

- اس مجموعے کے بعض خطوط کے سلسلے میں بھی تاریخ کا سراغ نہیں ملتا ، مثلاً :
- خط ص ۲۰ بنام جج چیف کورٹ پنجاب لاہور : خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خط پر دفتری کارروائی ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو ہوئی تھی ۔ لہذا علامہ نے یہ خط ۲۲ اکتوبر سے دو چار دن پہلے لکھا ہوگا ۔ یوں اکتوبر ۱۹۰۸ ہی اس کی تاریخ ٹھہرتی ہے ۔
- خط ص ۲۱ بنام رجسٹرار چیف‌کورٹ پہلے خط کے ساتھ ہی لکھا گیا ۔ لہذا اسے بھی اکتوبر ۱۹۰۸ء کا لکھا ہوا سمجھنا چاہیے ۔ ۱۹۰۸ میں چیف کورٹ کے رجسٹرار Arthur Denson تھا ۔
- خط بنام ولیم روتھن سٹین ص ۱۰۳ کا سال ۱۹۳۱ لکھا گیا ہے ، لیکن علامہ کی برگساں سے ملاقات پہلی گول میز کانفرنس میں نہیں بلکہ دوسری گول میز کانفرنس کے بعد جنوری ۱۹۳۳ میں ہوئی تھی ۔ علامہ فروری ۱۹۳۳ میں واپس ہندوستان آئے تھے ۔ لہذا یہ خط ۱۹۳۳ میں فروری یا مارچ میں لکھا گیا ہوگا ۔
- خط ص ۱۰۳ (دوسرا) بنام ولیم روتھن سٹین : اقبال کو اپریل ۱۹۳۴ میں لندن میں لیکچر دینا تھا لیکن اپریل میں اپنی علالت سے باعث انھوں نے یہ پروگرام منسوخ کر دیا اور اگلے سال ۱۹۳۵ میں لیکچر کے لیے لندن آنے کی خواہش کا اظہار کیا ۔ اس خط میں لارڈ لوتھین کا حوالہ بھی ہے جس کے نام ایک خط ''خطوطِ اقبال'' ص ۲۲۴ پر ملتا ہے ۔ لہذا قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ خط اپریل تا جون ۱۹۳۴ میں لکھا گیا ۔
- یکم سٹریٹن کے نام علامہ کا خط (ص ۱۲۱) ۱۹۰۲ میں لکھا گیا ، کیونکہ اس سال مسٹر الفریڈ ولیم سٹریٹن کا انتقال ہوا تھا ۔

بعض خطوط نامکمل درج ہیں ، مثلاً خط بنام سٹریٹن

ص ۱۲۱ اور ولیم روتھن سٹین کے نام دو خطوط ص ۱۰۳ ۔

خط ص ۷ بنام خواجہ عبدالوحید پر تاریخ تو درج ہے مگر سند موجود نہیں ہے ۔ خواجہ عبدالوحید کے ایک مضمون "اقبال کے حضور" (نقوش ، اقبال نمبر دوم ۱۹۷۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۹۳۵ میں لکھا گیا تھا ، (ص ۱۶: ۴۷) ۔

مکاتیب اقبال بنام گرامی : نوے خطوط کے اس مجموعے کو اقبال اکیڈیمی نے اپریل ۱۹۶۹ میں چھاپا ۔ مقدمہ و تعلیقات عبداللہ قریشی کی ہیں ۔ تمہید و تعارف غلام رسول مہر اور ممتاز حسن کا ہے ۔ یہ مجموعہ ہوشیارپور کے شیخ سردار محمد کی وساطت سے اقبال اکیڈیمی کو ملا ۔ اس ذخیرے کی خاص بات یہ ہے کہ ان خطوط سے ہندوستان کے عظیم فارسی شاعر گرامی کی ادبی حیثیت اور مقام کا تعین ہوتا ہے ۔ گرامی کے بعض جوابی خطوط بھی دست یاب ہوئے ہیں ۔ جس سے عبداللہ قریشی صاحب کے لیے خطوط کے مبہم گوشوں کی وضاحت آسان ہو گئی ہے ۔ خطوط تاریخ وار مرتب کیے گئے ہیں ۔ عبداللہ قریشی صاحب کی دیدہ ریزی اور دماغ کاوی ، جو انھوں نے حواشی کے ضمن میں کی ہے ، یقیناً داد کی مستحق ہے ۔ انہوں نے مکاتیب اقبال کے مرتبین کے لیے ایک تابندہ مثال قائم کی ہے ۔

اس مجموعے کے مطالعے سے یہ افسوس ناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ گرامی کے کئی خطوط ضائع ہو گئے ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کم از کم دو خط لکھے جا چکے تھے ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ کا یہ خط بھی "شہاب" (حیدر آباد دکن) کے مدیر کو بسکٹ فروش کی دکان سے پڑیا کی صورت میں ملا ۔ ۱۹۱۱ ، ۱۹۱۳ اور ۱۹۲۵ کا کوئی خط اس مجموعے میں شامل نہیں ۔ قیاس غالب ہے کہ ان سالوں کے خطوط بھی ضائع ہو گئے ۔

اس مجموعے کے سات خطوں پر تاریخ درج نہیں ہے جن میں سے چھ خطوں کے سنہ تو مرتب کتاب ہذا نے متعین کر دیے ہیں ۔ تاہم ایک خط ص ۹۲ کا حتمی سنہ متعین نہیں ہو سکا اور صرف اتنا لکھ دیا گیا ہے کہ یہ خط ۱۹۱۰ اور ۱۹۱۲ کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا تھا ۔

علامہ کی کشن پرشاد سے ملاقات ۱۲ مارچ ۱۹۱۰ کے بعد ہوئی تھی ۔

دربارِ دہلی بہرحال ۹ نومبر ۱۹۱۱ کے بعد منعقد ہوا ، شاید نومبر کے تیسرے یا چوتھے ہفتے میں (ملاحظہ ہو ''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۲۸ مکتوب بنام اکبر آبادی) - خط کا متن شاہد ہے کہ یہ دربارِ دہلی میں شرکت کرنے کے بعد لکھا گیا - یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط نومبر/ دسمبر ۱۹۱۱ میں لکھا گیا ہوگا -

مجموعے کے آخر میں ایک اشاریہ ہے جس میں نظموں اور کتابوں کے حوالوں کے علاوہ اشخاص کا اشاریہ بھی دیا گیا ہے ، لیکن یہ اشاریہ جامع نہیں ہے - کئی حوالے اشاریے میں شامل ہی نہیں مثلاً ، مرزا جلال (ص ۱۸۵) ، چودھری خوشی محمد (ص ۲۰۳) وغیرہ - اس اشاریے میں خطوط کے موضوعات کا حوالہ نہیں دیا گیا - لہذا یہ اشاریہ ناقص اور نامکمل ہے - اس مجموعے کی یہی سب سے بڑی خامی ہے -

اس مجموعے سے علامہ کا نظریۂ فن اور فنِ شاعری کے رموز سے آپ کی واقفیت کا اظہار ہوتا ہے - شاعری کے نقاد کی حیثیت سے بھی ان کا مقام و مرتبہ متعین ہوتا ہے - بعض نظموں اور اشعار خصوصاً فارسی اشعار کے شانِ نزول کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں - علامہ کی حیدر آباد میں ملازمت کی خواہش کی بعض تفصیلات بھی پہلی بار منظرِ عام پر آتی ہیں - ''مکاتیب اقبال بنام گرامی'' میں صرف ایک خط محررہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۸ ملتا ہے - علاوہ ازیں گرامی کے ایک خط کا عکس بھی شامل کیا گیا ہے -

خطوطِ اقبال : خطوطِ اقبال کے اس مجموعے میں علامہ کے ۱۱۱ خطوط شامل ہیں - اسے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے مرتب کیا ہے اور مکتبۂ خیابانِ ادب ، ۲۹ چیمبرلین روڈ ، لاہور ، سے ۱۹۷۶ میں شائع ہوا - دیباچہ سید عبداللہ نے لکھا - اس مجموعے میں علامہ کے وہ خطوط شامل ہیں جو ۱۹۷۶ سے پہلے شائع ہونے والے کسی باقاعدہ مجموعے میں شامل نہ ہو سکے یا اگر شامل تھے تو ان کا متن غلط یا نامکمل تھا - ابتدا میں علامہ کی خطوط نویسی کی خصوصیات کے علاوہ مکاتیب کے ذخیرے کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے - مکاتیب اقبال کی تدوین جس احتیاط اور سلیقے کی متقاضی ہے اس کا بھرپور اظہار ہاشمی صاحب نے ابتدا میں کر دیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ ''خطوطِ اقبال'' کو اس ضمن میں مثال کے طور پر پیش

کیا جا سکتا ہے ۔ اس مجموعے میں علامہ کے بعض انگریزی خطوط کا ترجمہ بھی درستی کے بعد شامل کیا گیا ہے ۔ جو خطوط اردو ترجمہ کے ساتھ موجود ہیں ۔ ان کا انگریزی متن بھی دیا گیا ہے تاکہ اصل اور ترجمے کا موازنہ کیا جا سکے ۔ ابتدا میں مولف نے مکاتیب کی تدوینِ نو کے ضمن میں چند اہم تجاویز پیش کی ہیں جو ابھی تک شرمندۂ تعبیر ہیں ۔ خاص طور پر کشن پرشاد کے نام خطوط اور ''اقبالنامہ'' اور ''انوارِ اقبال'' کے خطوط کی تدوین نو اشد ضروری ہے ۔

اقبال کا فنِ خطوط نگاری پہلی بار اتنے بھرپور انداز میں اس مجموعے میں نمایاں ہوا ہے ۔ خطوط کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ انھیں سن وار ترتیب دیا جائے ۔ چار خطوط کے عکس بھی دیے گئے ہیں ۔ انگریزی خطوط (جن کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے) کی تعداد انیس ہے ۔ ایک خط عربی میں ہے جو مصطفےٰ المراغی کے نام لکھا گیا ۔ معلوم ذخیرۂ مکاتیب میں یہ واحد خط ہے جو عربی میں ہے ۔ دوسرے مجموعوں کے دس خط اس مجموعے میں شامل کیے گئے کیونکہ ان مجموعوں میں ان کا متن درست نہیں تھا ۔ مصطفیٰ المراغی کا جوابی مکتوب بھی شامل کیا گیا ہے جو عربی میں ہے ۔ بشیر احمد ڈار کی مرتبہ کتاب Letters of Iqbal میں ایسے خطوط موجود ہیں جن کا اصل اور ترجمہ ''خطوطِ اقبال'' شامل تھا ۔ مجموعے کے اختتام میں ہر خط کے مآخذ پر سیر حاصل بحث کی گئی ۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مذکورہ خط کہاں کہاں شائع ہوا ہے ۔ ضمیمے میں اقبال کا سفرِ دہلی کے علاوہ دو تین نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں جن کا تعلق خطوط سے بنتا ہے ۔ آخر میں ایک مفصل اور جامع اشاریہ شامل کتاب کیا گیا ہے ۔ اشاریے کے عنوان یہ ہیں ۔ اشخاص ، کتب ، اخبارات و رسائل ، ادارے ، انجمنیں ، مطابع ، موضوعات ۔ علاوہ ازیں مولف نے ان کتابوں اور رسائل کا ذکر بھی کر دیا ہے جن سے مولف نے استفادہ کیا ۔

بکھرے ہوئے مواد کو تلاش کرنا اور اسے جانچ پرکھ کے بعد مجموعے میں شامل کرنا ، اس کے مبہم گوشوں کی وضاحت اور اسے مفید تر بنانے کے لیے ایک جامع اشاریے کا اہتمام مولف کی سخت کوشی اور

موضوع سے لگاؤ کے ساتھ ساتھ اقبال دوستی کا ثبوت ملتا ہے ۔ مولف نے اس مجموعے کو پیش کرکے بے شک اس موضوع پر کام کرنے والے اصحاب کے لیے ایک اچھی مثال قائم کر دی ہے ۔ تاہم اتنی دماغ سوزی اور جاں کاوی کے باوجود اس مجموعے میں بعض اغلاط موجود ہیں جنھیں دوسرے ایڈیشن میں بہر طور درست کر لینا چاہیے :

- ہاشمی صاحب نے ''اقبالنامہ'' جلد دوم کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں عطیہ بیگم کے نو خطوط شامل ہیں حالانکہ ان کی تعداد دس ہے (ملاحظہ ہو ص ۳۵) ۔
- خط نمبر ۲ تا ۵ ''اقبالنامہ'' جلد دوم میں شائع ہو چکے ہیں لیکن مولف نے اس کی صراحت کہیں بھی نہیں کی ۔ خط نمبر ۲ تو ''معاصرین اقبال کی نظر میں'' میں بھی شائع ہو چکا ہے ۔ دونوں متون میں کافی اختلاف ہے ۔ ''اقبالنامہ'' میں خط نمبر ۲ کی تاریخ ۲۲ فروری ہے جب کہ یہاں ۲۴ فروری درج ہے ۔
- خط نمبر ۴۶ بنام صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ''انوارِ اقبال'' ص ۲۰۰ پر موجود تھا ۔ دونوں متون میں خاصا اختلاف ہے ''انوارِ اقبال'' کا متن کچھ زیادہ ہے ۔ اس لیے ہمارے نزدیک یہ متن زیادہ مستند ہے ۔ ''خطوطِ اقبال'' میں اس خط کو شامل کرنے کا جواز نہیں تھا ۔ ایسا لگتا ہے کہ ''انوارِ اقبال'' میں مولف کی نظر سے یہ خط نہیں گزرا ۔ اگر ایسا ہوتا تو مذکورہ خط کے پس منظر اور مآخذ کے ضمن میں ''انوارِ اقبال'' کا حوالہ ضرور ملتا ۔ یوں ''خطوطِ اقبال'' کے خطوط کی تعداد ۱۱۱ کے بجائے ۱۱۰ تسلیم کی گئی ہے ۔
- خط نمبر ۵۲ میں مولف نے ''اوراق گم گشتہ'' کا حوالہ تو دیا ہے لیکن تاریخ محررہ الجھا دی ہے حالانکہ ''اوراقِ گم گشتہ'' میں واضح طور پر ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ لکھا ہے ۔
- خط نمبر ۸۹ میں ''مفید طلب'' نہیں بلکہ ''مفید مطلب'' ہے ۔
- خط نمبر ۱۰۷ بنام مصطفےٰ المراغی ۱۹۳۶ میں نہیں بلکہ ۱۹۳۷ میں لکھا گیا تھا ۔
- خط نمبر ایک بھی ''اقبالنامہ'' جلد دوم میں شامل تھا ۔ لیکن مولف

نے اس کی نشاندہی نہیں کی بلکہ صرف "امروز" کا حوالہ دیا ہے۔

- ص ۱۱۹ پر خط کا نمبر ۳ دیا ہوا ہے حالانکہ یہ ۱۳ ہے۔
- منشی طاہر الدین کے نام خط نمبر ۶۸ میں "۲۴ فروری کی شام کو میلرڈ میں لیکچر دینے" کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ "جنوری" ہے۔
- "مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی" کے خطوط کی تعداد ۱۸۲ بتائی گئی ہے، حالانکہ یہ ۱۷۹ ہے۔ مزید لکھا ہے کہ "ایک کے سوا تمام "خطوط سید نذیر نیازی کے نام ہیں" حالانکہ دو خطوط ایسے ہیں جو نذیر نیازی کے نام نہیں ہیں۔ ایک خط مولانا سلامت اللہ شاہ صاحب کے نام ہے اور ایک خط سید صاحب کے والد کے نام ہے۔ "انوار اقبال" اور Letters and Writings of Iqbal کی تعداد کا تعین بھی درست نہیں۔
- خط نمبر ۴۳ بنام سجاد حیدر یلدرم کے ضمن میں دسمبر ۱۹۳۲ لکھا ہے جو درست نہیں۔ یہ ۱۹۲۲ ہے۔ شاید یہ کتابت کی غلطی ہے۔
- ص ۱۵۴ پر "زمیندار" کے پرچے کا حوالہ دیتے ہوئے جون ۱۹۶۳ لکھا ہے جو غلط ہے۔ صحیح سنہ ۱۹۲۳ ہے۔
- ڈاکٹر ریاض الحسن کے خط کا نمبر ۲ے نہیں ہے ۵ے ہے (ص ۲۲۷)
- مکتوب ۶۰ کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ کس بیگم کو لکھا گیا تھا۔
- خط نمبر ۶۹ کی ذیل میں جو انگریزی خط دیا گیا ہے اس میں مقامِ تحریر "لاہور" درج نہیں حالانکہ اردو ترجمے میں یہ موجود ہے۔
- خط نمبر ۱۰۱ کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا کہ کس کو لکھا گیا ہے۔
- مکتوب ۱ کے ماخذ (ص ۳۱۱) کے ضمن میں "اقبالنامہ" جلد دوم کا حوالہ موجود نہیں۔
- اشاریے میں "احسان" کے حوالے کے ضمن ص ۲۶۹ کا ذکر درست نہیں۔

دوسرے مجموعوں کی طرح اس مجموعے میں بھی بعض خطوط کی تاریخ درج نہیں ہے۔ راقم الحروف نے تاریخ کے تعین میں جو تحقیق کی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

- خط نمبر ۱۱ : علامہ کا یہ خط ہفتہ روزہ ''توحید'' میں ۲۳ جولائی ۱۹۱۳ کو شائع ہوا ۔ لہذا زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ مکتوب ۱۷ تا ۲۳ جولائی کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا ہوگا ۔
- خط نمبر ۱۳ : علامہ کی بیماری جنوری اور فروری ۱۹۳۶ میں بڑھ گئی تھی ۔ ۸ فروری ۱۹۳۶ کے خط (''خطوط اقبال'' ص ۲۳۷) میں ڈاکٹر عبدالباسط کو لکھتے ہیں کہ میں فروری کے آخر میں بھوپال آؤں گا ۔ اس طرح سید نذیر نیازی کے نام خط محررہ ۳ جنوری ۱۹۳۶ میں جنوری کے آخر یا مارچ میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے ۔ لہذا یہ خط جنوری یا فروری ۱۹۳۶ میں ہی لکھا گیا ہوگا ۔
- خط نمبر ۱۵ : اس خط میں لکھا ہے کہ ''عنقریب یہ مثنوی شائع ہوگی''۔ سرکشن پرشاد کے نام ۳۰ اگست ۱۹۱۵ کے مکتوب (مشمولہ ''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۳) میں بھی لکھا ہے''مثنوی فارسی عنقریب شائع ہوگی''۔ کشن پرشاد کے نام خط محررہ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۹ ستمبر تا ۱۲ ستمبر کے درمیانی عرصے میں شائع ہوئی تھی (''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۷ ص ۱۵۲) شاکر صدیقی کو ۲۲ جون ۱۹۱۵ کو لکھا کہ مثنوی پریس میں چلی گئی ہے (ملاحظہ ہو ''انوار اقبال'' ص ۱۱۰) ۔ چنانچہ ان دو معروضاوت کی روشنی میں اس خط کی تاریخ محررہ جولائی/اگست ۱۹۱۵ متعین کی گئی ہے ۔
- خط نمبر ۳۵ : علامہ کے اشعار ''علی گڑھ میگزین'' میں ۱۹۲۵ میں چھپے ۔ لہذا سجاد حیدر یلدرم کو یہ خط ۱۹۲۵ میں ہی تحریر کیا گیا ہوگا ۔
- خط نمبر ٦٦ : عہدۂ صدارت سے علامہ کی سبک دوشی ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ کو ہوئی ۔ اس سے پہلے یکم جولائی ۱۹۳۷ کو علامہ نے سیکریٹری انجمن حمایت اسلام کو لکھا کہ ۴ جولائی کے اجلاس میں میرے استعفیٰ پر ضرور غور کیا جائے ۔ ایسا لگتا ہے کہ ۴ جولائی کے اجلاس میں یہ استعفیٰ منظور نہیں ہوا ۔ چنانچہ علامہ کو دوبارہ خط لکھنا پڑا ۔ ہمارے خیال میں یہ خط جولائی ۱۹۳۷ میں لکھا

گیا ہوگا۔

○ خط نمبر ۱۰۸ : ڈاکٹر مظفر الدین قریشی کے نام ۲۷ نومبر ۱۹۳۷ کے مکتوب میں موتیا بند کا کوئی تذکرہ نہیں جبکہ ۸ دسمبر والے خط میں اس کا ذکر موجود ہے ۔ چونکہ اس خط میں بھی موتیا بند کا ذکر ہے اور دوم جس کانفرس کا ذکر ہے وہ دسمبر ۱۹۳۷ میں منعقد ہوئی تھی ، اس لیے یہ خط دسمبر ۱۹۳۷ میں تحریر کیا گیا ہوگا۔

ان جملہ تاریخوں میں ایک خط کی تاریخ کا تعین سردست مشکل ہے ۔ اور وہ ہے خط نمبر ۱۱۱ بنام سید مبارک شاہ جیلانی ۔

Letters of Iqbal : بشیر احمد ڈار کا مرتبہ یہ مجموعہ تازہ ترین مجموعۂ خطوط ہے جس میں حضرت علامہ اقبال کے کل ۱۰۴ انگریزی خطوط شامل ہیں ۔ اقبال اکیڈیمی کے اہتمام سے شائع ہوا ہے ۔ اس مجموعے کی ترتیب میں اس امر کا خیال رکھا گیا ہے کہ علامہ کے انگریزی کے تمام خطوط یک جا کر دیے جائیں ۔ اس اعتبار سے یہ کوشش مفید ہے ۔ اس مجموعے میں مولف کی پہلی کتاب Letters and Writings of Iqbal کے چھیالیس خطوط میں سے پینتالس خطوط شامل ہیں ۔ ایک خط کسی مغالطے کی بنا پر موجودہ مجموعے میں شامل نہیں ہوسکا ۔ یہ خط قائد اعظم محمد علی جناح کے نام ہے جو نومبر ۱۹۳۷ (۱۹۳۳ نہیں) میں لکھا گیا تھا ۔ پینتالیس خطوط نکال کر باقی نواسی خطوط رہ جاتے ہیں ۔ ان خطوط کو زیادہ گہری نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوا ہے کہ اس مجموعے میں صرف پندرہ خطوط ایسے ہیں جو نئے ہیں اور اس سے پہلے کسی باقاعدہ مجموعے (انگریزی یا اردو) میں شائع نہیں ہوئے ۔ جو چوالیس خطوط دیگر مجموعوں میں شائع ہو چکے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے ۔

مکتوب الیہ	مورخہ	شملہ	تعداد
ڈاکٹر نکلسن	۲۴ جنوری ۱۹۲۱	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۴۵۷	۱
صاحبزادہ آفتاب	۴ جون ۱۹۲۵	'' جلد دوم ص ۲۱۲	۱
جواہر لال نہرو	۲۱ جون ۱۹۳۶	''خطوط اقبال'' ص ۹۴	۱

میر صاحب	۱۰ فروری ۱۹۱۳	”	ص ۱۲۶	۱
میاں شاہنواز خان	۶ جولائی ۱۹۱۸	”	ص ۱۲۰	۱
سید شوکت حسین	۳ جنوری ۱۹۱۹	”	ص ۱۲۴	۱
”	۶ جنوری ۱۹۱۹	”	ص ۱۲۵	۱
شیخ اعجاز احمد	—	”	ص ۱۴۰ - ۱۴۱	۲
شیخ دین محمد	—	”	ص ۱۶۰	۱
مسٹر سمتھ	۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴	”	ص ۱۷۲	۱
مرزا محمد سعید	اکتوبر ۱۹۲۶	”	ص ۱۸۱	۱
خلیفہ شجاع الدین	—	”	ص ۱۸۴	۱
عبدالغنی ناگپور	۱۵ مارچ ۱۹۳۰	”	ص ۱۹۲	۱
مس فارقوہرسن	۲۲ مئی ۱۹۳۲	”	ص ۲۱۳	۱
”	۱۳ اکتوبر ۱۹۳۴	”	ص ۲۱۶	۱
سر اکبر حیدری	۱۳ جون ۱۹۳۷	”	ص ۲۷۵	۱
فضل کریم	۱۹۳۷	”	ص ۲۹۱	۱
ریاض الحسن	۲۹ مئی ۱۹۳۳	”	ص ۲۲۷	۱
لارڈ لوتھین	—	”	ص ۲۲۳	۱
محمد عمرالدین	۲۲ نومبر ۱۹۳۵	”اقبالنامہ“ جلد اول	ص ۶۶	۱
ظفرالحسن	۱۳ دسمبر ۱۹۳۵	” ”	ص ۶۸	۱
بنام جناح	—	خطوط بنام جناح		۱۳
			کل	۴۴

اس مجموعے میں جو خطوط نئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

سر فضل حسین	ص ۶۱ تا ۹۵	۴
سر راس مسعود	ص ۵۹	۱
ایڈیٹر اخبار ”اسٹیٹسمین“	ص ۱۵۷	۱
مولوی یعقوب	ص ۱۸۵	۱
شیخ حبیب احمد	ص ۱۸۷	۱
شیخ دین محمد	ص ۱۹۷	۱

راغب احسن	ص ۲۱۹-۲۲۰	۲
محمد عمرالدین	ص ۲۲۳	۱
رجسٹرار مسلم یونیورسٹی	ص ۲۲۵-۲۲۶	۲
میونسپل کمیٹی لاہور	ص ۲۲۸	۱
		۱۵

ان خطوط میں مولوی محمد یعقوب کے نام خط ''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۷ اور محمد عمرالدین کے نام خط ''نقوش'' اقبال نمبر دوم میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۔ اس مجموعے کی خامیاں حسب ذیل ہیں :

- خط بنام پروفیسر شریف ص ۱۴۹ کی تاریخ ۲۷ اگست ۱۹۲۲ لکھی ہے حالانکہ مرتب کی پہلی کتاب Letters and Writings of Iqbal اور ''اقبالنامہ'' میں سن تحریر ۱۹۲۶ ہے ۔
- خط ص ۲۱۵ بنام ولیم سڑیٹن کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ ۱۹۰۸ میں فوت ہوئے حالانکہ ان کا انتقال ۱۹۰۲ میں ہوا تھا (ملاحظہ ہو Letters and Writings of Iqbal ص ۱۲۱) ۔ مولف نے اپنے ہی بیان کی تردید کی ہے ۔
- خط ص ۲۴۱ میں قائد اعظم محمد علی جناح کے نام خط کی تاریخ ۹ جون ۱۹۳۶ ہے نہ کہ ۱۹۳۹ ۔
- ص ۲۴ پر وبگے ناست کے خط کا عکس تو شائع کر دیا ہے لیکن اسے مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا ۔
- عطیہ فیضی کے نام خط محررہ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۱ کو ایک ہی خط تصور کیا گیا ۔ تاریخ درج نہیں کی اور آخر میں اشعار کا ترجمہ بھی اضافی معلوم ہوتا ہے ۔

یہ مجموعہ اس خیال سے شائع ہوا کہ علامہ کے تمام انگریزی خطوط اس میں شامل ہو جائیں لیکن اس میں پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ۔ کئی خطوط جو علامہ نے انگریزی میں لکھے تھے اس مجموعے میں نہیں آ سکے ، مثلاً :

- عبدالقوی فانی کے نام انگریزی خط جو خطوط اقبال ص ۲۱۲ پر

موجود ہے اس مجموعے میں شامل نہیں ہے ۔ باقی خطوط کی تفصیل یوں ہے :

بنام اکبر منیر	مشمولہ	''اقبالنامہ'' جلد دوم ص ۱۵۳-۱۶۸	۲
پروفیسر محمد شفیع	''	'' جلد اول ص ۲۰۸-۲۱۰	۳
سر اکبر حیدری	''	'' ''انوار اقبال'' ص ۳۲	۱
ڈاکٹر عباس علی خان لمعہ	''	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۲۶۶	۶
سید نذیر نیازی	''	مکتوبات بنام نذیر نیازی ص ۲۸-۲۳۱	۲
نیاز احمد	''	''اقبالنامہ'' جلد اول ص ۲۵۸-۲۶۰	۲
مس فار قوہرسن	''	'' جلد دوم ص ۲۸۳	۶
محمد اکرام	''	'' جلد دوم ص ۳۲۱	۱
سید نعیم الحق و سرراس مسعود	''	'' جلد اول ص ۳۲۹-۳۶۱	۲
شو لال شوری	''	'' جلد دوم ص ۲۶۰	۱
		کل	۲۶

یوں علامہ کے دریافت شدہ خطوط میں ۱۳۳ خطوط انگریزی کے ہیں ۔ ان خطوط میں چھتیس خطوط ایسے ہیں جن کا اردو ترجمہ کسی مستند مجموعے میں شامل نہیں ۔ تاہم چھ سات خطوط ضرور ایسے ہیں جن کا ترجمہ کہیں نہ کہیں شائع ہوچکا ہے ۔

خطوط اقبال کے دیگر مآخذت کا جائزہ ۔ مندرجہ بالا مجموعوں میں جن مآخذات سے استفادہ کیا جا چکا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے :

		مشمولہ	خطوط
۱	روزنامہ ''احسان'' ۲ جون ۱۹۳۸	''اقبالنامہ'' جلد اول	۵
۲	''ادبی دنیا'' اقبال نمبر دور ششم	''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۳	۷
۳	Mementos of Iqbal	''خطوط اقبال''	۸
۴	''ضیا بار'' اقبال نمبر ۱۹۷۳	''	۱

۵	''ماہ نو'' اقبال نمبر ۱۹۷۷	''انوار اقبال'' ۱۲ ''خطوط اقبال'' ۱ ''اقبالنامہ'' جلد اول ۳	۱۶
۶	''صحیفہ'' اقبال نمبر ۱۹۷۷	''خطوط اقبال''	۱۸
۷	رسالہ ''اقبال'' اپریل ۱۹۶۲	''	۱
۸	''اقبال ریویو'' اکتوبر ۱۹۶۹	''خطوط اقبال''	۴
۹	'' جنوری ۱۹۷۰	''	۴
۱۰	'' جولائی ۱۹۶۲	''انوار اقبال'' ۔ ''خطوط اقبال''	۷
۱۱	''نقوش'' اقبال نمبر ۱۹۷۷	''اقبالنامہ'' جلد اول (بنام عمرالدین)	۲
۱۲	رسالہ ''اقبال'' اکتوبر ۔ دسمبر ۱۹۷۱	Letters of Iqbal ''خطوط اقبال''	۶
۱۳	''صحیفہ'' جنوری ۱۹۷۱	''خطوط اقبال''	۳
۱۴	''نقوش'' مکاتیب نمبر	''انوار اقبال'' ، ''اقبالنامہ'' ، ''خطوط اقبال''	۴۹
۱۵	روزنامہ ''حریت'' اقبال ایڈیشن ۲۱ اپریل ۱۹۷۸	Letters of Iqbal ''اقبالنامہ'' حصہ اول	۲
۱۶	''ادبی دنیا'' اقبال نمبر ص ۶۰۲	''انوار اقبال'' ۔ خطوط اقبال	۲
۱۷	''اوراق گم گشتہ''	''خطوط اقبال''	—
۱۸	رسالہ ''اردو'' اقبال نمبر طبع جدید	''خطوط اقبال''	۶
۱۹	''آئینہ اقبال''	''	۵
۲۰	صحیفہ اقبال نمبر ۷۸-۱۹۷۷	Letters of Iqbal	۳
۲۱	''علامہ اقبال کے تیرہ غیر مطبوط خطوط''	ڈاکٹر وحید قریشی	—
۲۲	''خطوط اقبال بنام منشی سراج الدین احمد''	''تہذیب نسواں'' لاہور ۲۳ ستمبر ۱۹۲۴	

۲۳ حال ہی میں حمید اللہ ہاشمی نے ''خطوط اقبال'' کا ایک نیا مجموعہ شائع کیا ہے جس میں علامہ کے بیگم گرامی کے نام آٹھ اور گرامی کے نام ایک خط شامل ہے ۔ اس مجموعے کا تنقیدی جائزہ کسی دوسرے

موقع کے لیے اٹھا رکھنا مناسب ہوگا ۔

خطوط اقبال کے ان ماخذات میں بعض ایسے خطوں کا سراغ بھی ملتا ہے جو ضائع ہوگئے اور منظرِ عام پر نہ آ سکے ۔ ''ادبی دنیا'' کے اقبال نمبر میں جو بعد میں ''آئینہ اقبال'' کے نام سے کتابی صورت میں بھی چھاپا گیا اقبال اکیڈیمی کا تعارف بھی دیا گیا ہے جس میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالباسط کے نام علامہ کے سات خطوط محفوظ ہیں ۔ توقع تھی کہ یہ سب خطوط ''انوار اقبال'' میں شامل کر لیے جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا ۔ ان میں پانچ خطوط بعد میں ''خطوط اقبال'' میں شائع ہوئے ۔ باقی ۲ خطوط کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں ہیں ۔

منشی نذر محمد کے فرزند اکبر جناب محمد سمیع صاحب کے پاس بھی علامہ کے چند ایک خطوط تھے جو باوجود سعیٔ بسیار اور تلاش پیہم کے نہیں مل سکے ۔ ڈاکٹر ضیاالدین اور ظفرالحسن کے نام دو خطوط بھی ضائع ہوگئے (بحوالہ ''صحیفہ اقبال'' نمبر ۱۹۷۷ ص ۳۲) ۔ ''معاصرین اقبال کی نظر میں'' ص ۵۶۰ پر لکھا ہے کہ کیپٹن منظور حسین کے نام علامہ کے تین خطوط اقبال اکیڈیمی میں محفوظ ہیں ۔ ایک خط تو ''انوار اقبال'' میں شائع ہو چکا ہے ۔ (ص ۲۸۶) ایک خط عبداللہ قریشی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ۔ تیسرے خط کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں ہے ۔ مصطفیٰ المراشی کے نام علامہ کا ۱۵ اگست کا مکتوب ''خطوط اقبال'' اور ''اقبالنامہ'' میں شامل ہو چکا ہے لیکن وہ مکتوب جو مصری وفد کے بھیجے جانے کے سلسلے میں تھا اور جولائی ۱۹۳۶ میں لکھا گیا تھا دست یاب نہیں ہو سکا ۔

ممنون احسن کے نام علامہ کے کچھ اور بھی خطوط تھے جو ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آسکے (ملاحظہ ہو اقبال ریویو جنوری ۱۹۷۳) ۔ ''نقوش'' مکاتیب نمبر میں علامہ کے پچاس خطوط میں ایک خط مولوی عبدالحق کے نام ہے ۔ یہ خط غلطی سے علامہ کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے ۔ خط کے متن میں ماڈل ٹاؤن کا حوالہ موجود ہے ۔ ظاہر ہے علامہ کبھی ماڈل ٹاؤن نہیں رہے ۔ یہ خط در اصل پروفیسر محمد اقبال کا ہے جو اورینٹل کالج میں استاد رہے ہیں ۔

خطوط اقبال کے ضمن میں علامہ کی ارسال کردہ تاروں کی بھی اہمیت ہے ، لیکن انھیں ابھی تک خطوط کے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا ۔ ان میں سے بعض تاریں ''گفتار اقبال'' میں شائع ہو چکی ہیں ۔

مکاتیب اقبال : مستقبل کے منصوبے ۔ مکاتیب اقبال کے جن مآخذات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان سے بھر پور استفادہ ہوچکا ہے ، لیکن اس کے علاوہ بھی بے شمار مکاتیب ادھر ادھر کتب و رسائل میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ راقم الحروف کے ایک سرسری جائزے کے مطابق ان خطوط کی تعداد ۱۲۳ کے قریب بنتی ہے ۔ اگر ان خطوط میں وہ سینتیس خطوط بھی شامل کیے جائیں جن کا اردو ترجمہ ابھی تک نہیں ہوا تو مکاتیب اقبال کا ۱۶۰ خطوط پر مشتمل ایک مجموعہ سامنے آ سکتا ہے ۔

اس کے علاوہ معلوم ہوا ہے کہ شیخ اعجاز احمد علامہ کے بعض خطوط شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ ان خطوط کے بعض اہم پیراگراف ''روزگار فقیر'' میں جا بجا مل جاتے ہیں ۔ اندازہ ہے کہ ان خطوط کی تعداد سو سے زیادہ ہوگی ۔ اس ذخیرے سے تین چار خطوط حال ہی میں جسٹس جاوید اقبال کی کتاب ''زندہ رود'' حصہ دوم میں بھی شائع ہو چکے ہیں ۔

''نقوش'' کا تبرکاتِ اقبال نمبر بھی عنقریب شائع ہو رہا ہے ۔ توقع ہے کہ اس مجموعے میں بھی علامہ کے بعض نادر خطوط شامل ہوں گے ۔

ہندوستان میں علامہ کے مکاتیب اب بھی موجود ہوں گے ۔ اگر حکومت سرپرستی کرے تو ان خطوط کو جمع کرنے کا کام زیادہ مشکل نہیں ہوگا ۔ اقبال اکیڈیمی کو اس منصوبے پر توجہ دینی چاہیے ۔

مکاتیب اقبال کی فراہمی کے ساتھ ساتھ خطوطِ اقبال کے موجودہ ذخیرے کی تدوینِ نو کی اشد ضرورت ہے ۔ بعض مجموعے کم یاب ہیں ۔ راقم کی تحقیق کے مطابق مکاتیب اقبال کے مستند مجموعوں میں علامہ کے ۱۳۷۵ خطوط ہیں ۔ ان خطوط میں ۱۸۸ خطوط بعض مجموعوں میں مشترک ہیں ۔ یوں علامہ کے معلوم مکاتیب کی تعداد ۱۱۸۷ بنتی ہے جن مجموعوں میں مشترک خطوط پائے جاتے ہیں ان سے یہ خطوط الگ کر دینے چاہئیں تاکہ کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہونے پائے ۔ ان خطوط کی تفصیل یہ ہے :

	مشترک خطوط
''اقبالنامہ'' جلد اول	۵
''اقبالنامہ'' جلد دوم	۵۸
''انوارِ اقبال''	۸
Letters and Writings of Iqbal	۲۷
''خطوطِ اقبال'' مرتبہ رفیع الدین ہاشمی	۱
Letters of Iqbal مرتبہ بشیر احمد ڈار	۸۹
کل	۱۸۸

مکاتیب اقبال کے ذخیرے میں خطوط کی تعداد کے لحاظ سے مکتوب الیہ کی ترتیب یوں ہے :

بنام	خطوط	بنام	خطوط
سید نذیر نیازی	۱۷۷	کشن پرشاد	۹۹
غلام قادر گرامی	۹۰	لیاز الدین خان	۷۹
سید سلیمان ندوی	۷۰	عباس علی خان لمعہ	۲۹
سر راس مسعود	۲۶	محمد دین فوق	۲۵
غلام رسول مہر	۲۳	ڈاکٹر مظفر الدین قریشی	۲۰
خواجہ حسن نظامی	۲۰	عبداللہ چغتائی	۱۹
اکبر الہ آبادی	۱۶	مولوی محمد صالح	۱۷
محمد علی جناح	۱۳		

اقبال کے مکتوب الیہان کی تعداد یوں تو خاص زیادہ رہی ہے لیکن مستند مجموعوں میں شامل مکتوب الیہان کی کل تعداد ۲۳۳ ہے۔ ان میں پانچ خطوط کے مکتوب الیہ ابھی تک گم نام ہیں۔

مکاتیب اقبال کے موجودہ ذخیرے کی تدوینِ نو کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ زمانی اعتبار سے مکاتیب کا اشاریہ بنا لیا جائے تاکہ علامہ کے فکری ارتقا اور ان کے مشاغل کی تفصیلات زیادہ بہتر انداز میں سامنے آ سکیں۔ اقبال کے خطوط کو زمانی اعتبار سے مرتب کرنے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بعض خطوط پر تاریخ ، ماہ یا

سال موجود نہیں ہے ۔ بعض خطوط پر علامہ خود تاریخ لکھنا بھول گئے ۔ بعض خطوط کی تاریخ کے نقل کرنے والوں نے ٹھوکریں کھائیں ۔ کاتب کی مہربانیوں کے طفیل تاریخ غلط درج ہو گئی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مجموعوں کے مرتبین نے اس طرف توجہ دی ہے لیکن پھر بھی چھپن خطوط ایسے ہیں جن پر ماہ و سال درج نہیں ۔ مکاتیب اقبال کا زمانی ترتیب سے مطالعہ کیا جائے تو بعض خطوط کے سنِ تحریر حتیٰ کہ مہینے کا سراغ بھی مل جاتا ہے ۔ راقم الحروف نے چھیالیس خطوط کے سنین کا سراغ لگا لیا ہے اور اب صرف دس خطوط ایسے ہیں جن کے سن کا حتمی سراغ لگانا ابھی باقی ہے ۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

بنام	مشمولہ	صفحہ
غلام قادر فصیح	''اقبالنامہ'' جلد دوم	۲۶۳
خواجہ حسن نظامی	''اقبالنامہ'' جلد دوم	۳۵۵
خواجہ حسن نظامی	''اقبالنامہ'' جلد دوم	۳۶۵
عبدالقوی فانی	''انوار اقبال''	۱۵
محمد دین فوق	''انوار اقبال''	۶۷
محمد دین فوق	''انوار اقبال''	۶۸
غلام رسول مہر	''انوار اقبال''	۹۵
مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	''انوار اقبال''	۳۱۷
خواجہ عبدالوحید	Letters of Iqbal	۷
سید مبارک شاہ جیلانی	''خطوط اقبال''	۹۷

مکاتیبِ اقبال کی تدوینِ نو کے سلسلے میں قارئین کرام کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ راقم الحروف ۱۱۸۷ خطوط کو سن وار مرتب کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے ۔ یہ اشاریہ عنقریب ''اقبال ریویو'' میں شائع ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی اقبال کے سن وار خطوط کی تعداد کا اشاریہ اور مکتوب الیہ کا اشاریہ بھی شامل ہوگا تاکہ مکاتیب اقبال کے تمام ذخیرے سے بھرپور استفادہ کیا جا سکے ۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایسے اشاریے کی ضرورت ہے جو خطوط کے موضوعات کے سلسلے میں ہو ۔ ایک اشاریہ ان کتب و رسائل اور اشخاص کا ہو جن کا ذکر مکاتیب میں آ چکا ہے ۔

ضمیمہ

تحقیق چونکہ ایک مسلسل عمل کا نام ہے اس لیے کوئی بھی کوشش حرفِ آخر نہیں ہوا کرتی ۔ مکاتیبِ اقبال کے بعد کے مطالعے سے بعض نئی باتیں سامنے آئیں ۔ مناسب سمجھا گیا کہ انہیں مضمون کے آخر میں ''ضمیمہ'' کے طور پر شامل کیا جائے تاکہ یہ مضمون ہر لحاظ سے اپ ٹو ڈیٹ ہو سکے ۔

- خط نمبر ۱۰۸ بنام لعمان مشمولہ ''خطوطِ اقبال'' ص ۲۹۰ کی تاریخ ہم نے دسمبر ۱۹۳۷ متعین کی تھی لیکن یہ خط ۹ اکتوبر ۱۹۳۷ کو لکھا گیا ۔ ملاحظہ ہو ''گفتارِ اقبال''، ص ۲۱۰ ۔
- جسٹس جاوید اقبال کے نام خط کا سن جنوری ۱۹۳۲ نہیں ، جنوری ۱۹۳۳ ہے جیسا کہ اس خط کے پس منظر میں مولف ''خطوطِ اقبال'' نے تاثر دیا ہے ۔ علامہ جنوری ۱۹۳۲ میں نہیں ۱۹۳۳ میں سپین کے دورے پر گئے تھے ۔ ''روحِ مکاتیب اقبال'' کے مولف نے صحیح تاریخ دی ہے ۔
- خط بنام سید سلیمان ندوی ، ص ۱۱۹ ''اقبال نامہ''، جلد اول پر سن ۵ جولائی ۱۹۲۲ درج ہے ، جو غلط ہے ۔ صحیح سن ۱۹۲۳ ہے کیونکہ ''پیامِ مشرق'' مئی ۱۹۲۳ میں طبع ہوئی ۔
- خط بنام نکلسن : ''اقبالنامہ'' حصہ اول ، ص ۴۵۷ ۔ ہم نے Letters of Iqbal کی تاریخ پر بھروسہ کرتے ہوئے ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ کا تعین کیا ہے ، لیکن عبداللہ قریشی نے ۲۴ جنوری ۱۹۲۷ لکھا ہے ۔ یہ تاریخ غلط ہے کیونکہ ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی ترجمہ ۱۹۲۰ میں شائع ہوا تھا ۔
- خط بنام اکبر شاہ نجیب آبادی : ''انوارِ اقبال''، ص ۳۱۷ ۔ اس خط کا ہم نے بے تاریخ خطوں میں ذکر کیا ہے ۔ عبداللہ قریشی کی تحقیق کے مطابق یہ خط ۱۹۲۵ میں لکھا گیا ۔ (ہم نے ۱۹۲۶ متعین کیا تھا) ۔
- اسی طرح عبدالقوی فانی کے نام ایک خط (مشمولہ ''انوارِ اقبال''،

ص ۱۵) بھی اب بے تاریخ نہیں رہا بلکہ ۲۱ مئی ۱۹۳۲ کو لکھا گیا۔

○ ہم نے علامہ کے مکاتیب کی تعداد ۱۱۸۷ متعین کی ہے ، لیکن یہ یہ درست نہیں۔ علامہ کے مکاتیب کی صحیح تعداد ۱۱۸۴ ہے۔ درج ذیل تین خطوط دیگر مجموعوں میں مشترک ہیں :

(i) دو خطوط بنام نیاز الدین خان مشمولہ اقبالنامہ ، جلد دوم ، ص ۳۱۷ ، ۳۲۰ : یہی خطوط ذرا مختلف تاریخوں سے ساتھ ''مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں میں موجود ہیں۔ لہذا ''اقبالنامہ'' جلد دوم سے خطوط کی تعداد ۱۲۷ سمجھی جائے۔

(ii) ''انوار اقبال'' ، ص ۱۵ پر عبدالقوی فانی کے نام بے تاریخ خط ''خطوط اقبال'' میں شامل ہے۔ اور اس پر ۲۱ مئی ۱۹۳۲ کی تاریخ درج ہے۔ مرتب خطوط اقبال نے اس طرف توجہ نہیں دلائی۔ لہٰذا اب ''انوار اقبال'' کے خطوط کی تعداد ۱۸۲ سمجھی جائے گی۔

ان تبدیلیوں کے پس نظر اب ''اقبال نامہ'' ، جلد دوم میں مشترک خطوط کی تعداد ۶۰ اور ''انوار اقبال'' میں ۹ ہو جائے گی۔ اسی طرح بے تاریخ خطوط کی تعداد اب آٹھ ہو جائے گی۔ مزید برآں نیاز الدین خان کے نام خطوط کی تعداد اکاسی نہیں بلکہ اناسی ہے۔

○ ۱۹۲۲ کے درج ذیل خطوط دراصل ۱۹۲۳ میں لکھے گئے تھے لیکن مرتبین نے تحقیق نہیں کی :

۱۔ خط بنام سید غلام بھیک نیرنگ : ''اقبال نامہ'' ، جلد اول ، ص ۲۰۶ صحیح تاریخ ۴ جنوری ۱۹۲۳۔

۲۔ عبدالماجد دریا بادی : ''اقبال نامہ'' ص ۲۳۳ : صحیح تاریخ ۴ جنوری ۱۹۲۳۔

۳۔ گرامی : مکاتیب بنام گرامی ، ص ۱۸۷ ، صحیح تاریخ ۷ جنوری ۱۹۲۳۔

۴۔ عبدالماجد دریا بادی : ''اقبال نامہ'' جلد اول ، ص ۲۳۴ صحیح

تاریخ ۱۷ اپریل ۱۹۲۳ -

۵- گرامی : ''مکاتیب بنام گرامی'' ص ۲۰۳ صحیح تاریخ ۲۴ اپریل ۱۹۲۳ -

ایسا لگتا ہے کہ پہلے تین خطوں میں علامہ نئے سال کے شروع ہونے پر عادتاً گذشتہ سال کی تاریخ لکھ گئے - تاہم آخری دو خطوں کے ضمن میں مرتبین نے خطوط پڑھتے ہوئے ٹھوکر کھائی ہوگی - واضح ہو کہ علامہ کو سر کا خطاب ۱۹۲۲ میں نہیں ، یکم جنوری ۱۹۲۳ کو ملا تھا - (ملاحظہ ہو جسٹس جاوید اقبال ''زندہ رود'' ، ص ۲۶۸) -

خواجہ عبدالوحید کے نام خط کی تاریخ دریافت کرنے کے بعد بے تاریخ خطوط کی تعداد سات ہے ، یعنی ایک کم ہو گئی -

اقبال اکادمی پاکستان لاہور
کی
چند نئی مطبوعات

قیمت

۱- شمس العلماء مولوی سید میر حسن (حیات و افکار)
از ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین — ۲۸/- روپے

۲- علامہ اقبال ممتاز حسن کی نظر میں
مرتبہ ڈاکٹر محمد معزالدین — ۲۰/- "

۳- احوال و آثار اقبال
از ڈاکٹر محمد باقر — ۱۷/- "

۴- پس چہ باید کرد مع مسافر ۔ ایک جائزہ
از رفیق خاور — ۱۳/- "

مکمل فہرست کتب مندرجہ ذیل پتے سے مفت طلب فرمائیں

اقبال اکادمی پاکستان

۱۱۶ میکلوڈ روڈ ۔ لاہور

IQBAL REVIEW

Journal of the Iqbal Academy Pakistan

This Journal is devoted to research studies on the life, poetry and thought of Iqbal and on those branches of learning in which he was interested : Islamic Studies, Philosophy, History, Sociology, Comparative Religion, Literature, Art, and Archaeology.

Published alternately
in
English (April and October) and Urdu (January and July)

Subscription

(for four issues)

Pakistan	Foreign countries
Rs 38.00	US $ 8.00 or £ Stg. 4.50
Price per copy	
Rs 10.00	US $ 2.00 or £ Stg. 1.00

All contributions should be addressed to the Secretary, Editorial Board, Iqbal Review, 116 McLeod Road, Lahore. Each article must have its duplicate copy. The Academy is not responsible for the loss of any article.

Published by

Dr Waheed Quraishi Editor and Secretary of the Editorial Board of the Iqbal Review and Director, Iqbal Academy Pakistan, Lahore

Printed at

ZARREEN ART PRESS
61, Railway Road, Lahore